

بِسْمِ اللّٰهِ

# اسلام کے مقابل اسلام!

(پرویز)

فلاسف نے اپنے متعلق کہا تھا کہ — قدر شعر میں جیتی! بعد میں خواہد شدن — دنیا میں میرے شعر کی مدد میرے بعد ہوگی — اقبال نے بھی اسی احساس کا اظہار کیا تھا جب کہا تھا کہ — من ندائے شاعر فرا اتم — میں آنے والے شاعر کی آواز ہوں۔ میرا زمانہ میرے بعد آئے گا، میں اپنے آپ کو ان ارباب فکر و بصیرت کے (میرے) میں شمار کرنے کی جرأت تو نہیں کر سکتا، لیکن اس حقیقت کے اظہار سے باز بھی نہیں رہ سکتا کہ جو کچھ بس اسلام کے متعلق کہہ رہا ہوں وہ آنے والے مورخ کے لئے یادداشت کا کام دے گا۔ وہ دیکھے گا کہ جب یہاں سلام پہ یہ کچھ بیت رہی تھی تو ایک گوشے سے قرآن کی آواز بھی بلند ہو رہی تھی، قرآن کریم نے اپنے اولین مخاطبین (کفار) کے متعلق کہا تھا کہ وہ اپنے گرد کے لوگوں سے کہتے تھے کہ لَا تَنصَحُونَا بِهَذَا الْقُرْآنِ۔ اس قرآن کی آواز اپنے کان میں نہ پڑنے دو۔ وَالنَّصَاحَةُ لَنَا۔ اور اس قدر شور مچاؤ کہ دوسرے بھی اسے نہ سنے۔ نَسِئْكَ كَذِبًا لَّيْلًا نَّعْلَمُكَ نَقْلًا لَّيْلًا۔ بس یہی ایک طریق جس سے تم قرآن کی طرف دعوت دینے والوں پر قابو ہو سکو گے۔ اگر لوگوں نے اس کی آواز سن لی تو پھر وہ تمہارے قابو نہیں آسکیں گے۔ یہی فلینیک ہمارے زمانے کا ہوس نجوم نے اختیار کر رکھی ہے جو نہیں چاہتے کہ قرآن کی آواز بلند ہونے پائے۔ قرآن اول کے معاندین کے مقابلہ میں ان کے پاس پراپیگنڈہ کے بڑے وسیع اور شدید الاثر ذرائع ہیں۔ عوام ویسے ہی مذہباتی ہوتے ہیں، اس پراپیگنڈہ نے ان کے جذبات کو اس قدر دو آتشہ بنا دیا ہے کہ وہ ذرا سا سی بات پر آتش گیر مادہ بن جاتے ہیں۔ جہاں تک ہمارے دانشور طبقہ کا تعلق ہے، جو کچھ اسلام کے نام سے پیش کیا جاتا ہے، اس سے وہ مذہب کے نام سے متفسر یا کم از کم (DISINTERESTED) ہو چکے ہیں۔ میرے زمانہ ملازمت کی بات ہے، دفتر میں ایک انگریز سپرنٹنڈنٹ تھا اور اس کے سیکشن میں ایک "احمدی" کلرک "احمدیوں" کا تو یہ معمول ہوتا ہے کہ وہ ہر ایک تک اپنا سر نہیں پہنچاتے ہیں، ایک دن اس کلرک نے اپنا کچھ مزید اس سپرنٹنڈنٹ کو دیا، اس نے پوچھا کہ یہ کچھ کس موضوع سے متعلق ہے؟ اس نے کہا کہ یہ مذہب سے متعلق ہے۔ اس نے وہ کاغذات اس کی طرف لوٹا دیئے اور کہا کہ انہیں گرجا کے پادری کے پاس لے جاؤ، اسے اس کام کی تنخواہ ملتی ہے، مجھے نہیں۔ ہمارے دانشور طبقہ کی حالت کچھ ایسی ہی برعکس ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب ایک ایسا (SUBJECT) ہے جس کا تعلق مولوی صاحبان سے ہے۔ ان سے اس کا کچھ واسطہ نہیں

دفاعی شرعی عدالت کے چیف جسٹس، مسٹر جسٹس آفتاب حسین نے اس بارے میں گلہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے ایکسپریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ملک کے علماء اور دانشوروں سے اپیل کی کہ وہ ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے دفاعی شرعی عدالت سے تعاون کریں۔ انہوں نے کہا کہ

انہوں نے بار بار اخبارات میں اشتہارات بھی شائع کروائے ہیں ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے سلسلے میں وکلاء اور علماء حضرات نے کسی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں دکھایا۔ انہوں نے کہا کہ علماء زبانی کامی تو اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے بہت کچھ کہتے ہیں لیکن عملاً انہوں نے تعاون کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وفاقی شرعی عدالت کی دعوت پر چند علماء نے کچھ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے سلسلے میں اپنی آراء پیش کی تھیں لیکن انہوں نے اپنی اس رائے میں صرف فقہ کو تکیہ کر دیا تھا اور اکثر جٹوں پر قرآن اور حدیث کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اس لئے ان کی آراء ہماری مناسب مدد نہیں کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ وکلاء بغیر فیس کے کوئی مشورہ نہیں دیتے اس لئے وکلاء نے وفاقی شرعی عدالت سے بھی قابل ذکر تعاون نہیں کیا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور۔ مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۸۲ء)

یہ اُسی طبقہ کا حال ہے جس کا براہ راست تعلق مذہب اور قوانین سے ہے۔ اس سے مذہب کے ساتھ دل چسپی کے تعلق دیگر طبقوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انسانی حالات آپ سوچئے کہ قرآن کی یہ آوازیں بلند کر رہی ہوں اس پر کون کان دے گا؟ عوام سے کہہ دیا گیا ہے کہ یہ کفر ہے۔ الحاد ہے۔ بے دینی ہے۔ اس کے قریب تک نہ جانا۔ خواص نفس مذہب ہی سے لا تعلق ہو چکے ہیں باقی ہمہ نفس اس آواز کو بلند کئے جا رہا ہوں۔ ایک تو اس لئے کہ میں نے اسے اپنی زندگی کا فریضہ قرار دے رکھا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ اس قہار مہال کے باوجود ایسے سعادت مند حضرات موجود ہیں جو اس آواز میں دل چسپی رکھتے ہیں۔ اور تیسرے اس لئے کہ میری یہ آواز بیکار آدمیوں سے تاکہ آنے والی مورتی اس سے استفادہ کر سکے۔ (مدرسہ بہاؤنگ قرآن کے ساتھ اس دور کا عمومی تعلق ہے۔ اس کی حالت ایسی ہو چکی ہے جس کا اقبال نے الہ حقیقت اور لیکن نہایت حسرت اندہ الفاظ میں اظہار کیا تھا کہ — غلامِ نرگد رفته و تبسم آرزوست — میں نے جو خواب دیکھا تھا وہ تو بھول گیا ہے لیکن میں یہ آرزو دل میں لئے بیٹھا ہوں کہ اس کی تعبیر میرے سامنے آجائے۔

اقبال نے ایک خواب دیکھا تھا۔ یہ خواب کہ افسانہ نگار نے جو دین و نظامِ حیات (حضور نبی اکرم کی وساطت سے نوح انسان کو عطا فرمایا تھا اور جسے آپ نے علماءِ نافعہ کر کے دکھا دیا تھا) اسے پھر سے زندہ حقیقت بنا کر دنیا کو بتا دینا چاہئے کہ یہ ہے وہ فرد جس پر میں جسے بنی آدم نے قسم کھو دیا تھا۔ اس نے کہا کہ جو اسلام، مسلمانوں کے مختلف ممالک میں رائج چلا آ رہا ہے، وہ دین نہیں جو صدرِ اول میں قائم ہوا تھا۔ یہ وہ مذہب ہے جو صدرِ اول کے بعد ہمارے دور ملکیت میں وضع ہوا تھا۔ حقیقی دین کے احیاء کے لئے ضروری ہے کہ ایک ماحولِ خطہ زمین ہو جس میں پہلے سے کوئی نظامِ حیات ثبت نہ ہو۔ اس میں قرآن کی بنیادوں پر اسلامی نظام قائم کیا جائے، اسکے لئے انہوں نے مشعلِ نبوی میں اس خطہ زمین کے حصول کو قوم کے سامنے بطور نصب العین رکھا۔ انہوں نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ

اس سے اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ آں اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی ملکیت کی وجہ سے اس پر اب تک قائم ہیں اس جمود کو توڑ دے جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے

نصرت ان کی صحیح معنوں میں تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔

(خطبہ صدارت - الہ آباد)

اس سے بھی پہلے انہوں نے اپنے خطبات الفکیلِ حدیث میں سعیدِ حلیم پاشا (مرحوم) کی ہم نوائی میں کہا تھا :-  
اندرونی حالات ہمارے لئے کشاکش و کار کی ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ یہ کہ آئینہ اسلام پر غیر اسلامی رنگ کی جو سخت اور دُورشت تہیں خیم گئی ہیں اور جن کی وجہ سے اس کا حرکیاتی اور ارتقائی نظریہ یکسر جامد ہو کر رہ گیا ہے، انہیں کھڑچ کھڑچ کر الٹ کر دیا جائے، اور حریت، سالمیت اور مساوات کی حقیقی اقدار کو از سر نو زندہ کر کے ان کی بنیادوں پر اپنے اخلاقی، عمرانی اور سیاسی نظام کی تشکیلِ جدید کی جائے جو حقیقی اسلام کی سادگی اور آفاقیت کا آئینہ دار ہو۔ (چٹا خطبہ)

وہ جانتے تھے کہ اس اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت مذہبی پیشوائیت کی طرف سے ہوگی۔ کیونکہ مذہب ان کے لئے ذریعہ معاش بن چکا ہے، اور جب حکومت کے ساتھ ان کی ساز باز ہو جائے تو یہ ذریعہ معاش ہی نہیں رہتا، دھڑ بھول اُفتداری بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس حقیقی اسلام میں اس انسٹی ٹیوشن کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ آپ کلامِ انبیا کو شروع سے اخیر تک دیکھ جائیے۔ اس میں آپ کو مُلّا کی مخالفت بہ شد و مد ملے گی۔ وہ ان کے وجود کو مسلمانوں کی تباہی کا اولین سبب قرار دیتے ہیں۔ وہ مسلمان سے واضح طور پر کہتے ہیں کہ

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری

اے گشتِ سلسلانی و مُلّانی و پیری

اپنے کلام کے علاوہ وہ دیگر مقامات پر بھی اسی خطہ کو دھراتے رہے۔ انہوں نے آلِ انبیا مسلم کانفرنس (منعقدہ مارچ ۱۹۷۳ء) میں اپنے خطبہ صدارت کے دوران فرمایا :-

ہمارے دین کی یہ بلند فطری مَلّاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ اوہام میں جکڑی ہوئی ہے، اور آزادی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے ہم جذبات اور حالات کے ایک قید خانے

میں محبوس ہیں۔ جسے صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر رکھا ہے۔ ہم بڑھوسوں کے لئے شرع کا تھا کہ جو نوجوانوں کو ان اقتصادی، سیاسی بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضری آنے والے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ پھر نئی آرزوؤں نئی تمناؤں اور نئے نصب العین کی اُمت کو محسوس کرنے لگ جائے۔

انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ اس نئی مملکت کے نظام کی بنیاد قرآنِ خاص ہوگی۔ اور پھر یہی مذہبی پیشوائیت کے لئے ہم مخالفت ہوگی اس لئے ان کا مقابلہ کرنا جبری جرات طلب اور صبر آزمایہ ہوگی۔ انہوں نے اپنے خطبات میں واضح الفاظ میں کہا تھا کہ

یہ سوال اُٹھو یا دیرِ مسلم اقوام کے سامنے آنے والا ہے کہ اسلامی قوانینِ شریعت میں ارتقاء کی گنجائش ہے یا نہیں۔ یہ سوال بڑا اہم ہے اور بہت بڑی ذہنی جدوجہد کا متقاضی۔ اس سوال کا جواب یقیناً اثبات میں ہونا چاہئے بشرطیکہ اسلامی دنیا اس کی طرف عمرہ کی روح کو لے کر بڑھے۔ وہ عمرہ جو اسلام کا سب سے پہلا اور حریت پسند قلب ہے جسے رسولِ اندم کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کو جرات نصیب ہوئی کہ

## حسبنا کتاب اللہ

ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے

وہ جانتے تھے کہ جس نظام کی بنیاد قرآنِ مخلص پر ہوگی وہ دنیا کے ہر غیر قرآنی نظام کا مخالف ہوگا۔ اس میں ہر قسم کی شخصی حکومت کی مخالفت ہوگی خواہ وہ ملکیت ہو یا آمریت۔ حتیٰ کہ خریب کی جمہوریت بھی۔ اس میں مغرب کی استعماریت کی بھی مخالفت ہوگی۔ اور وطن اور نسل کی بنیادوں پر نیشنلزم کی بھی۔ اس میں نہ مغرب کا نظام سرمایہ داری یا سرمایے کا مذہبی روس کا اشتراکی نظام۔ اس اعتبار سے اس جدید مملکت کی مخالفت مسلمانوں کی مذہبی پیشوائیت ہی کی طرف سے نہیں ہوگی۔ بلکہ دنیا کی ہر قوم کی طرف سے ہوگی۔ بنا بریں انہیں اس کا احساس تھا کہ اس مملکت کے قیام اور استحکام کی مخالفت ہر قوم کی طرف سے ہوگی۔ کوئی قوم بھی اسے برداشت نہیں کر سکے گی کہ یہ نظام دنیا کے کسی خطے میں بھی قائم ہو جائے۔ چنانچہ کلام اقبال میں اقوامِ مغرب اور تہذیبِ مغرب کے غلام جو کچھ کہا گیا ہے (اور اس تکرار و اصرار کے ساتھ کہا گیا ہے) اس سے مقصود قرآنی مسلمانوں کو متنبہ (WARN) کرنا تھا کہ تمہاری اس سیکم کی مخالفت تمام دنیا کی طرف سے ہوگی۔

## ہر طرف سے مخالفت

اقبال یہ کہتا ہوا دنیا سے چلا گیا تو اس کے بعد قائد اعظم اس پکار کو لے کر آگے بڑھے۔ سب سے پہلے انہوں نے یہ بنایا کہ اس مملکت میں اندازہ حکومت کس قسم کا ہوگا۔ فرمایا کہ یہ اسلامی مملکت ہوگی اور اسلامی حکومت کے تصور کا یہ انشیاذ ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تمہیں کا واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے مدد و متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی عملداری ہے اور عملداری کے لئے آپ کو عاقلہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔

(انٹرویو حیدر آباد - دکن - شائع شدہ روزنامہ انقلاب - لاہور - مورخہ ۸ فروری ۱۹۴۲ء)

انہوں نے بھی اقبال کے قیام میں اس امر کی وضاحت کر دی کہ اس مملکت میں مذہبی پیشوائیت کا وجود نہیں ہوگا۔ انہوں نے ۱۹۴۳ء میں مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے انوجوانوں سے کہا تھا کہ مسلم لیگ نے (کم از کم) ایک کام نو کر دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس نے تمہیں مسلمانوں کے رجحان و عناصر کے چنگل سے چھڑا دیا ہے۔ اس نے تمہیں اس افراط و تفریط کی جگہ بند یوں سے آزاد کر دیا ہے جسے مولوی یا مولانا کہتے ہیں۔ (تقدیر - جلد اول - ص ۱۱۱)

انہوں نے مسلم لیگ کنونشن منعقدہ دہلی (۱۱-۱۲ اپریل ۱۹۴۳ء) میں واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کے لئے یہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین کیا ہے۔ یاد رکھیے ہمارا نصب العین تقیہ کریم نہیں۔ ہم تقیہ کریم کی سیٹ نہیں بنانا چاہتے۔ (طلوع اسلام ستمبر ۱۹۴۳ء)

انہوں نے قیام پاکستان کے بعد فروری ۱۹۴۷ء میں یہ حیثیت گورنر جنرل اہل امریکہ کے نام اپنے براؤکاسٹ میں کہا تھا کہ



## تحقیق کر لیں نہیں ہوگی

پاکستان میں کسی قسم کی تحقیق کر لینی نہیں ہوگی جس میں عکس مت مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بڑھم خوشی) خدائی مشن کو لوہا کر لیں۔

یہ نیکو ہمارے ہاں ابھی تک نہ تو تحریک پاکستان کی کوئی مستند تاریخ مرتب ہوئی ہے اور نہ ہی قائد اعظم کی کوئی معیاری سوانح حیات، اس لئے یہ چیز قوم کے سامنے آئی ہی نہیں کہ تحریک پاکستان میں تصادم محاذ کون کون سے تھے اور ان میں وجہ نزاع اور بنیادی لغت کیا تھی۔ یہ تصادم محاذ تھے مذہبی پیشوا اور اقبال اور قائد اعظم اور بنیاد غایت تھی اسلامی کا وہ تصور جسے علماء پیش کرتے تھے اور اس کے برعکس وہ تصور جو اقبالی اور قائد اعظم کے پیش نظر تھا۔ یہ جنگ تھی درحقیقت اسلام کے دو تصورات کے درمیان۔ ایک وہ اسلام جو کتاب اشہد بہ منی تھا۔ دوسرا وہ اسلام جو ہمارے دور ملکیت کا ذبح کردہ تھا اور جس کے علمبردار ہمارے علماء تھے، اور ان کے ہم نواؤں کے ہندو، ہندو ابھی طرح جانتا تھا کہ اگر آئی نظام ان کی دیوار ب دیوار مسکت (پاکستان) میں قائم ہو گیا تو اس کے انسانیت ساز نتائج کو دیکھ کر وہاں کی (مسلم اور غیر مسلم) آبادی حکومت کو پیسے نہیں بیٹھنے دے گی۔ اس لئے وہ بھی اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ملک پاکستان میں اقبالی اور بنیاد کے تصور کا اسلام کار فرما ہو جائے۔ آپ دیکھئے کہ وہاں یہ ہر دو تصورات کس طرح ایک دوسرے سے تصادم تھے۔ چونکہ اس جنگ کی ابتدا ہندوستان کی سرزمین سے ہوئی تھی اس لئے ہم اس کا آغاز وہیں سے کرتے ہیں۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ اقوام مغرب نے اس جنگ میں کیا رول ادا کیا ہے اور ابھی تک کس رہی ہیں

ہندوستان میں علماء کا مسلک یہ تھا کہ اگر مسلمانوں کو شخصی قوانین۔ نکاح، طلاق وغیرہ کی آزادی ہو، تو حکومت خواہ سیکولر ہی کیوں نہ ہو، اس سے اسلام کا منشا پورا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ (ان علماء کے سرخیل) مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) کا ارشاد تھا کہ

ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب شامل ہوں، حاصل کرنے کے لئے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہئے۔ ایسی مشترکہ آزادی، اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے۔

(زمزم، جولائی ۱۹۷۲ء)

اس اسلام کے تحفظ کی ضمانت ہندو دیتا تھا۔ مولانا مذکور کے ارشاد کے مطابق :-

کانگریس میں ہمیشہ ایسی سمجھوتہ آتی رہتی ہیں اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہب اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس نہ لگے۔ (مولانا مدنی کا پمفلٹ: متحدہ قومیت اور اسلام)۔ جسے انہوں نے علامہ اقبال کے جواب میں شائع کیا تھا

یہ تھا اسلام کا وہ تصور جسے علماء کرام پیش کرتے تھے اور جس کے تحفظ کی ضمانت ہندو دیتا تھا۔ اس کے برعکس داعیان پاکستان کے پیش کردہ اسلام کا تصور یہ تھا کہ اسلام کو اسی صورت میں آزاد تسلیم کیا جاسکتا ہے جب کہ اس کا نفاذ مسلمانوں کی اپنی آزاد مملکت میں ہو۔ اسلام میں مملکت کی بنیاد ہی دین پر استوار ہوتی ہے۔ اس تصور کے اسلام کے متعلق ہندو کا رد عمل کیا تھا، اسے غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ادا ل شگلہ ۱۹۷۲ء میں جب مملکت پاکستان کا مقصود و مطلوب ابھر کر سامنے آیا تھا کانگریس کے (اُس زمانے کے) مشہور لیڈر مسٹر جولا جیانی ڈیپائی نے ایوان اسمبلی میں اس

میں وہ کانگریس پارٹی کے لیڈر تھے، تاہم عظیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا :-

اب یہ ناممکن ہے کہ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کیا جاسکے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ اب وقت آچکا ہے کہ ہر امت کو اس کے اچھے طرح ذہن نشین کر لیں کہ غیر مذہب اور خدا کو ان کے مناسب مقام یعنی انسان کی بندوبستوں پر رکھ دیا جائے اور انہیں خواہ مخواہ زمین کے معاملات میں گھسیٹ کر نہ لٹا جائے۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اگر مذہب کو سیاست سے الگ نہ کیا جائے تو کوئی نظام حکومت قائم رہ سکتا ہے۔ عصر حاضر میں بہترین نظام حکومت اس نظر پر قائم ہو سکتا ہے کہ ہر قریائی حدود کے اندر گھرا ہوا ایک ملک ہو اور اس ملک کے اندر رہنے والے تمام افراد معاشی، اور سیاسی مفاد کے رشتے میں منسلک ہو کر ایک قوم بن جائیں۔ (ہندوستان ٹائمز، ۱۹۳۸ء - ۵ - ۹)

اس پر جاشیہ آرائی کرتے ہوئے ہندوستان ٹائمز نے لکھا کہ

حکومت الہیہ کا مقصد ایک داستان پازیتہ ہے اور مسلمانوں کا فعل عبث ہو گا اگر وہ ہندوستان جیسے ملک میں اس کے احیاء کی کوشش کریں جہاں مختلف جماعتیں ایک دوسرے سے تقبی ہوئی ہیں، یا اس امر کا خیال کریں کہ اس مقصد کے لئے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ علامت خوش آمد ہے کہ خود مسلمانوں کے ذمہ دار رہنا اس سراب کے پیچھے لگنا نہیں چاہتے۔ (ہندوستان ٹائمز، ۱۹۳۸ء - ۱۲ - ۱۱)

اور خود مسٹر گاندھی نے کہا :-

اگر میں کثیر ہوتا تو مذہب اور حکومت کو الگ الگ کر دیتا۔ مجھے میرے مذہب کی قسم، میں اس کے لئے جان تک دے دیتا۔ مذہب میرا ذاتی معاملہ ہے۔ حکومت کو اس سے کیا واسطہ حکومت کا منصب یہ ہے کہ وہ تمہاری دنیاوی ضروریات کا خیال رکھے۔۔۔۔۔ مذہب سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ مذہب ہر شخص کا پرائیویٹ معاملہ ہے۔ (ہیرنگو، ۱۱۹۴۶ - ۱۲ - ۲۹)

جب مارچ ۱۹۴۷ء میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی، تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے، مسٹر گاندھی نے کہا تھا :- میں پوری جرات اور جسارت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ مسٹر جینا ج اور ان کے ہم خیال حضرات اپنی اس روش سے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے بلکہ وہ اس پیغام کی خاطر تہ جہانی کر رہے ہیں جو فقط اسلام کے اندر پوشیدہ ہے۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آج کل مسلم لیگ کی طرف سے جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میرے دل پر سخت غمیں لگ رہی ہیں۔ میں اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں کوتاہی کروں گا اگر میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اس دروغ بانی سے متنبہ نہ کر دوں میں اس کا اس نازک وقت میں ان میں پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ (ہندوستان ٹائمز، ۱۹۴۰ء - ۳ - ۷)

اس کے دو ہی ماہ بعد مسٹر گاندھی نے پھر کہا کہ

اگر مذہب کو علیٰ حالہ رہنے دیا جائے۔ یعنی ایک نبی کا معاملہ اور خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی تعلق تو پھر ہندوؤں اور مسلمانوں کے کئی ایک اہم مشترک عناصر نکل آئیں گے جو مجبور کر دیں گے کہ یہ دونوں ایک مشترکہ زندگی بسر کریں۔ اور ان کی سادہ فہم بھی مشترک ہو۔ (ہندوستان ٹائمز، ۱۹۴۰ء - ۶ - ۲۵)

یہ کم نمبر ۱۹۸۱ء کو لدھیانہ میں اکٹھے بھارت کا نظریں منعقد ہوئی جس کی صدارت ہندوؤں کے مشہور رہنما مسٹر منشی نے کی۔ انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا :-

تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ پاکستان ہے کیا؟ نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ پاکستان سے منہو یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لئے ایسے مسکن بنائیں جہاں طرز حکومت، قرآنی اصولوں کے سانچے میں جوصل سکے اور جہاں اردو ان کی قومی زبان بن سکے، مختصر یہ کہ پاکستان مسلمانوں کا ایک ایسا خطہ دار جن ہوگا جہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ (ریونیون، ۱۱-۱۲-۱۹۸۱ء)

یہ کچھ ہندوؤں نے تحریک پاکستان کے دوران کہا۔ تقسیم ہند کے بعد بھی یہ شعلہ ان کے سینے میں برابر جھڑکتا رہا کہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد وہاں کے مشہور اخبار ہندوستان ٹائمز نے اپنی ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت کے ادارہ میں لکھا تھا :-

پاکستان، بالخصوص مشرقی بنگال کی اقلیتوں کو اتنا خوف و ہراس اور کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا جتنا اس حقیقت سے کہ پاکستان کے رہنماؤں نے متعدد بار اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی اصول و آیات کے مطابق ایک اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد اس نے (اسی مقالہ افتتاحیہ میں) کہا کہ اگر کشمیر کا مسئلہ پر اس طریق سے طے ہو جائے اور پاکستان اسلامی سٹیٹ کے خیال کو ترک کر دے اور اپنے سامنے ایک جمہوری ریاست کی تشکیل کا نصب العین رکھے تو اس سے پاکستان اور ہندوستان اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوش گوار تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا۔

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں بیات علی خان (مرحوم) نے لندن میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان ایک اسلامی سٹیٹ ہے اور ہم نے تہمت کر لیا ہے کہ وہ ان اصولوں پر قائم کی جائے گی جو ہمیں اسلام نے سکھائے ہیں۔ (ہندوستان ٹائمز، ۱۰-۱۱-۱۹۴۷ء)

اس پر اسی اخبار نے اپنی ۲۸ اکتوبر کی اشاعت کے مقالہ افتتاحیہ میں لکھا کہ تقسیم ہند کے وقت سے ہندوستان کے قیادوں نے اس امر کا اعلان کر رکھا ہے کہ ہندوستان میں سیکولر حکومت ہوگی لیکن سرحد کے اس پار کے میڈر پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ پاکستان اسلامی سٹیٹ ہوگا۔ . . . چنانچہ ابھی پچھلے دنوں مسٹر بیات علی خان نے کہا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی سٹیٹ ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ہندو اس اسلام کے تو تحفظ کی ضمانت دیتا تھا جسے علماء دین کو دے تھے لیکن اس اسلام کے تصور تک سے اس کے سینے پر سانپ لوتے تھے جس کے نھاڑ کے سے مملکت پاکستان (کا پہلے مطالبہ کیا گیا تھا اور بعد میں یہ) وجود میں آگئی تھی۔ اس قسم کی ممانعت میں ہندو کس حد تک جانے کی سوچ رہا تھا اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جب تقسیم ہند کا فیصلہ ہو گیا تو کانگریس کی طرف سے پرنڈت جواہر لعل نہرو ایک طرف اس فیصلہ پر دستخط کر رہے تھے اور دوسری طرف اپنی قوم سے کہہ رہے تھے کہ

ہماری سکیم یہ ہے کہ ہم اس وقت مسٹر جناح کو پاکستان بنانے دیں اور اس کے بعد معاشی طور پر یا دیگر انداز سے ایسے حالات پیدا کرتے جائیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک کر ہم سے درخواست کریں کہ ہمیں پھر سے ہندوستان میں مدغم کر لیجئے۔

( PAKISTAN FACES INDIA — P. 99 )  
اسے پھر ذہن میں رکھئے کہ (جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں) ہندو کو مسلمانوں کی ایک الگ مملکت بنانے پر کوئی خاص اعتراض نہیں تھا۔ انہیں اعتراض تھا تو اسی پر کہ وہ مملکت (اقبال اور جناح کے تصور کے) اسلام کے نفاذ کا ذریعہ ہوگی۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ ششما کی جنگ میں عبرت آموز شکست کھانے کے بعد اُس زمانے کے (ہندوستان کے) وزیر دفاع مسٹر چوہان نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اسی دن سے خاصیت کی بنیاد رکھ دی گئی تھی جس دن پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان آئیڈیالوجی کا اختلاف ہے۔ اس کے سوا کوئی اختلاف نہیں۔ اور یہ اختلاف اور دشمنی مہینے یا ہفتے بھر کی نہیں بلکہ ساہا سال تک رہے گی۔ بھارت کو اس کے لئے ایک تازہ اور فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

۱۹۴۷ء میں سقوطِ ڈھاکہ کے بعد بھارت نے بہت بڑا جشن منایا تھا اور وہاں کی پارٹیاں نے اس کامیابی پر مسرگاندھی کی قد کشی میں ہدیہ مبارک یاد پیش کیا تھا۔ اس کے جواب میں مسرگاندھی نے جو کچھ کہا تھا وہ ہندو ذہنیت کی پوری پوری غمازی کرتا ہے۔ اُس نے کہا تھا۔

یہ کامیابی، نہ ہماری فوجوں کی کامیابی ہے اور نہ ہی حکومت کی کامیابی۔ یہ کامیابی ہے حق پرستی نظریہ کی اس نظریہ کے خلاف جو باطل پرستی تھا مسلمانوں نے تحریک پاکستان کی بنیاد ایک باطل نظریہ پر رکھی تھی جو انہیں بار بار کھاتے رہے کہ ان کا نظریہ غلط ہے، یہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے نہ مانا اور اپنی ہند پر قائم رہے۔ اسی سبب سال کے تجربہ نے بتا دیا ہے کہ جو کچھ ہم کہتے تھے وہ حق تھا اور ان کا نظریہ باطل۔ یہ ان کے باطل نظریہ کی شکست ہے۔  
یہ (مسرگاندھی کے بقول) باطل نظریہ کیا تھا یہی کہ مملکت کی بنیاد (اقبال اور جناح کے تصور کے) اسلام پر رکھی جائے گی۔

مرحوم مودودی صاحب کی طرف سے مخالفت  
مطابق پاکستان کی سب سے زیادہ شدید مخالفت سید ابوالاعلیٰ مودودی (سرحد) کی طرف سے ہوئی تھی جس موضوع پر طلوع اسلام میں گزشتہ تیس ستریس سال میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ اس کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ (طلوع اسلام نے تو بلکہ ستریس سال میں ان کی مخالفت کی تھی)۔ ان کا انداز مخالفت، نیشلسٹ علماء سے مختلف تھا لیکن اقبال اور جناح کے پیش کردہ اسلام کو وہ بھی "کافرانہ" قرار دیتے تھے۔ انہوں نے اپنی مشہور تالیف "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ سوم میں لکھا تھا :-

جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام رائج ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی۔ ان کا گمان



غلط ہے دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔  
بلکہ اس سے بھی زیادہ قابلِ لعنت۔ (صلت ۱۲۲)۔

انہوں نے اپنی مخالفت، تقسیم ہند کے زمانے تک برابر جاری رکھی، حتیٰ کہ انہوں نے اپریل ۱۹۴۷ء میں (جب تقسیم ہند کا اصولی فیصلہ ہو چکا تھا) تانک، مدراس اور پٹنہ میں اپنی جماعت کے خصوصی اجلاس منعقد کئے تاکہ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو مطالبہ پاکستان کے خلاف بھڑکایا جائے، چنانچہ انہوں نے اس وقت بھی تحریک پاکستان کو "غیر اسلامی" قرار دیا اور (ان کے ایک رفیق کار) ملک نصرائی خان عویز (مرحوم) نے یہاں تک کہہ دیا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اقامتِ دین کے آغاز سے پہلے زمین کا ایک قطعہ حاصل کر لینا ضروری ہے جہاں دین کو برپا کر سکیں۔ حیرت ہے کہ یہ چیز خاصے سمجھ دار اور بظاہر معقول اور عالم دین لوگوں تک کی طرف سے کہی جاتی ہے۔ ایسی باتیں وہی لوگ کہہ سکتے ہیں، جو یا تو سیاست اور فلسفہ اجتماع سے کلیتہً نااہل ہیں اور عرضِ ادھر ادھر سے چند باتیں اور نعرے سُن سنا کر سیاسی تحریکوں میں شامل ہو گئے ہیں اور کوئی سمجھ دار آدمی موجود نہ ہونے کی وجہ سے لیڈرئی کے درجے کو پہنچ گئے ہیں۔ یا پھر نفس پرستی میں مبتلا اور خوفِ خدا سے آزاد ہونے کی وجہ سے اُن پٹھ اور حقائق و سیاست سے ناواقف عوام کو بے وقوف بناتے ہیں تاکہ وہ ان کے جنگل سے نکلنے نہ پائیں۔ درنہ موتی بات ہے کہ حکومت کے قیام کے لئے آپ کو اینٹ اور گارے کی ضرورت نہیں کہ آپ قطعاتِ زمین تاکتے پھریں، اس کے لئے آپ کو زمین کی نہیں بلکہ ایسی مضبوط اور منظم جماعت کی ضرورت ہے جو آپ کے پیش نظر نظریہ حکومت کو ماننے اور اس کے لئے مرثیہ والی ہو۔ اگر آپ نے ایسی جماعت پیدا کر لی تو جہاں بھی وہ ہوگی وہیں وہ اس نظریہ کی حکومت قائم کر لے گی (رونداد جماعت اسلامی، حصہ پنجم - صفحہ ۱۵۶)۔

یعنی ان کے نزدیک بھی، اسلام کے نفاذ کے لئے الگ خطہ زمین کی ضرورت نہیں تھی یہی بات مینسٹرس علما کہتے تھے اور ہندو بھی یہی چاہتا تھا۔

آپ نے دیکھا کہ تحریک پاکستان کے دوران بنیادی وجہ نزاع کیا تھی؟ یہ درحقیقت اسلام کے دو تصورات کا ٹکراؤ تھا۔ اسلام کا ایک تصور یہ تھا کہ حکومت کسی قسم کی نہیں ہو، اس میں اسلام پر عمل ہو سکتا ہے۔ دوسرا تصور یہ تھا کہ اس کے لئے الگ آزاد مملکت کا قیام لازماً مفک ہے جس میں حکومت قرآنی خطوط پر مشتمل ہو۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کی ان مذہب پرست جماعتوں کی مخالفت کے علی الرغم پاکستان کے لئے ایک قطعہ زمین حاصل ہو گیا یہ ان کی شکست تھی لیکن انہوں نے اس شکست کو فتح سے بدلنے کے لئے مختلف تدابیر سوچیں۔ (جیسا کہ پندت جواہر لعل نہرو نے اعلان کیا تھا) ہندو حکومت کے یہ ارادے تھے کہ سیاسی اور عسکری سطح پر ایسے حالات پیدا کئے جائیں جس سے مملکت پاکستان کا (خاکِ بدین) وجود ہی باقی نہ رہے۔ لیکن مذہب پرست جماعتوں نے یہ ارادہ کیا کہ یہ بُرا کار مملکت قائم نہ رہتی ہے تو سب سے پہلے اس میں اقبال اور جناح کے تصور کا اسلام نافذ ہونے پائے۔ اسلام وہی نافذ ہو چکے معبر دار علماء حضرات ہیں۔ اس مقصد کے

حصولی کے لئے مزدوری تھا کہ یہ تمام بھائیوں پاکستان آجائیں اور یہاں اپنے تصور کے نفاذ کی کوشش کریں۔ چنانچہ تشکیل پاکستان کے ساتھ ہی یہ سب ہجوم کر کے ادھر آئے۔ ہندوستان سے پاکستان کی طرف آنے والے مسلمان عوام یہاں سے تو لاکھوں کی تعداد میں قتل ہو گئے۔ ان کے قتلے ہوئے گئے۔ ان کی مصائب بردبار ہو گئیں۔ یہ تباہ اور برباد ہو گئے لیکن مذہب کے علمبردار حضرات امن وامان سے بے خوفیت اور خستہ ہو گئے۔

مہ نے شروع میں کہا ہے کہ حقیقی اسلام کے نفاذ سے ہندو ہی لرزاں و ترساں نہیں تھا۔ مغرب کی سرمایہ پرست اور سیکور نظام کی حامی اقوام بھی اس سے خائف تھیں۔ اس لئے ان کی بھی یہی کوشش تھی کہ (اول تو پاکستان بنے ہی نہ اور انگریز بن بھی جائے تو یہاں) اقتدار اور جناح کے تصور کا حقیقی اسلام نافذ نہ ہونے پائے۔ اقبال نے جب پاکستان کا تصور دیا تھا تو اس کی نگاہ بصیرت نے اس خطرے کو بھی بھانپ لیا تھا۔ ان کی آخری تصنیف 'ارمغان حجاز' میں ایک تنہایت شگفتہ اور بیخ نظم ہے جس کا عنوان ہے۔ اہلیس کی مجلس شوریٰ۔ اس میں انہوں نے بڑے دل کش حکاکاتی (ڈرامائی) انداز میں، ان اقوام کے اس خطرے کو بے نقاب کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کے انزال کے لئے انہوں نے کیا سوچا ہے۔ انداز اس نظم کا یہ ہے کہ اہلیس اپنی کاہنہ کی میٹنگ منعقد کرتا ہے جس میں ہر شعبہ کا مشیر اپنی اپنی کارگزاری کی رپورٹ پیش کرتا ہے کہ اس نے مختلف اقوام کو اہلیس راستوں پر ڈالنے کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ صدر مجلس، اہلیس، ان رپورٹوں کو بڑی توجہ سے سنتا ہے اور آخر میں کہتا ہے کہ تم نے جو تحریکوں کو اہلیس پروگرام کے راستے کی رکاوٹ بنایا ہے مجھے ان میں کوئی خطرہ نظر نہیں آتا ان کے برعکس۔

ہے اگر مجھ کو خطرہ کوئی تو اس اُمت سے ہے

جس کی خاکستریں ہیں اب تک مستحضر آرزو

تم نے سب سے زیادہ دور اس پر دیا ہے کہ کیونکر تم میں ہمیں بڑا خطرہ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن تمہاری نگاہ ادھر عالم کی سطح پر ہے۔ اور

جانتا ہے جس پر روشن باطنِ ارباب ہے

مردکیت فتنہ قرا نہیں، اسلام ہے

جب اہلیس نے کہا تھا کہ اسے دھقیقت خطرہ اُمتِ مسلمہ سے ہے تو اس کے مشیروں میں کچھ چہ بیگوئیاں شروع ہو گئی تھیں اس پر اس نے کہا کہ تمہارے دل میں ہر شکوک ابھر رہے ہیں، مجھے ان کا احساس ہے۔

جانتا ہوں میں یہ اُمتِ حاملِ قرآن نہیں ہے وہی سرمایہ داری ہندہ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں جہدِ بیعتا ہے پرانِ حرم کی آستیں

میں یہ سب جانتا ہوں :

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف

جو دھائے آشکارا شرعِ پیغمبر۔ کہیں

وہ شرعِ پیغمبر۔ یعنی قرآنی نظام، جس کی خصوصیت یہ ہے کہ

موت کا پیغام ہر نوبہ غلامی کے لئے  
اس سے بڑھ کر اور کی فکر و عمل کا انقلاب  
چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب  
اسے اچھی طرح یاد رکھو کہ تمہارے لئے کرنے کا کام ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ

توڑ ڈالیں جس کی تکبیری فلسفہ شمش جہات  
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات  
انہوں نے کہا کہ اس کے لئے نہ کیا چاہئے اس نے کہا کہ یہ قوم بڑی مذہب پرست واقع ہوئی ہے، اس لئے اس سے مذہب  
کا چھڑا دینا مشکل ہے۔ قرآن الہ کے ہر گھڑیں ہوتا ہے۔ انہیں کچھ بدوں اس سے بیگانہ نہیں بنایا جاسکتا۔ اس کے لئے  
جسے چاہیں حربہ کی ضرورت ہوگی، اور وہ یہ کہ ان میں نظری مسائل کی بحثیں چھیڑ دو۔

بے یہی بہتر اہلیات میں اُلجھا رہے  
یہ کتاب اللہ کی تادیلات میں اُلجھا رہے  
اور اس طرح۔

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے  
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام  
پھر سن رکھو کہ

ہر نفس ڈرتا ہوں اس آئینہ کی بنیادی سے ہیں  
اس خطہ سے محفوظ و مامون رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ

مست رکھو ذکر و فکر صبح و شب میں اسے  
بجنت ترکہ دو مزاج خانقاہی میں اسے  
اس سے مراد صرف تصوف کی خانقاہ نیست نہیں۔ وہ مذہب بھی ہے جس کی علمبردار ہماری مذہبی پیشوائیت ہے۔

علامہ اقبال نے پاکستان کا تصور دینے کے ساتھ ہی اس خطہ سے بھی آگاہ کر دیا جو اسے پیش آنے والا تھا۔  
یعنی نظام سربراہی کی حامل اقوام مغرب (جنہیں بغرض بقعارف امریکن ہلاک کہا جاتا ہے) کی طرف سے اس کی مخالفت  
اس ہلاک کی اہلیت کا یہ عالم ہے کہ خود اہلیت نے بحضور رب العزت درخواست کی تھی کہ مجھے اب رہنما کر  
دیکھئے۔ کیونکہ

جمہور کے اہلیت ہیں ارباب سیاست  
باقی نہیں اب میری ضرورت تمہارا ہلاک

اس ہلاک کے پیش نظر دو مقصد تھے۔ ایک کیونکہ ہم کے سیلاب کی روک تھام۔ اور دوسرے پاکستان میں اس اسلامی نظام کو  
قائم نہ ہونے دینا جس کی خاطر اسے حاصل کیا گیا تھا اور جس میں اس ہلاک کو اپنی موت نظر آتی تھی۔ ان مقاصد کے حصول  
کے لئے مسلمانوں کی مذہبی پیشوائیت کو اپنا آرکاردینا ضروری تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ روس کے بڑھتے ہوئے خطہ  
کی روک تھام کے لئے امریکہ نے مسلمانان عالم کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ

دنیا کے خدا پرستو! آؤ ہم متحد ہو کر اس اتحاد اور بے دینی کا مقابلہ کریں۔

جب ۱۹۴۷ء میں پاکستان میں سیرت کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں یونیورسٹی آف ایڈنبرا کے شعبہ اسلامیات کے پروفیسر  
ڈبلیو مننگہری۔ وراث بھی شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو اپنے خطاب کے دوران کہا تھا کہ

اس وقت نوع انسانی اخلاقی اور ثقافتی سطح پر ایک نہایت نازک صورت حال سے دوچار ہے۔ اس نئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے فرزندانی توحید کی طرف سے زیادہ سے زیادہ تبلیغ میسر آ سکے تاکہ عیسائی اور مسلمان اپنے مشترکہ دشمن "الحاد" کے خلاف مل کر جہاد کر سکیں۔ (نوائے وقت۔ لاہور۔ مورخہ مارچ ۱۹۷۹ء)

اس "زیادہ سے زیادہ تبلیغ" کے لئے اس بلاک نے کیا کچھ کیا اس کے متعلق ہم آگے چل کر تفصیل سے بتائیں گے جہاں فقہائین مثل ازم کی تحریک کا ذکر آئے گا۔ سروسٹ آپ "الحاد و بے دینی کے خلاف جہاد" کو دیکھئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ الحاد اور بیدینی کی مخالفت مسلمانوں کا فرض ہے لیکن قرآن تو دوس کے انکار خدا اور اقوام مغرب کے اقارب خدا دونوں کو یکساں قرار دیتا ہے۔ اور دونوں سے اُس خدا پر ایمان کا مطالبہ کرتا ہے جس کا تصور قرآن نے پیش کیا ہے لیکن ہماری مذہبی پیشوائیت نے اس میں فرق کیا اور دوس کی لادینی کی مخالفت کو اپنا دینی فرض قرار دے لیا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ (دوس کی لادینی پر اس کا کچھ اثر پڑا ہو یا نہ) مذہبی پیشوائیت کی طرف سے جس قدر یہ جہاد زور پکڑتا گیا، مغربی بلاک کا نظام سرمایہ داری اس نسبت سے مستحکم ہوتا گیا۔ یہ اس بلاک کا پہلا مقصد تھا۔ اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ پاکستان میں اس اسلام کا نفاذ نہ ہونے پائے جس کے لئے اسے حاصل کیا گیا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مذہبی جماعتوں کا تعاون ضروری تھا۔ اس سلسلہ میں (کا عدم) جماعت اسلامی کا نام نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ اس زمانے میں تو اس قسم کی خبروں کو کسی نے چنداں درخور اعتناء نہ سمجھا لیکن اب جو ماضی کے ان واقعات پر نگہ باز گشت ڈالتے ہیں تو نظر آجاتا ہے کہ اس جماعت کے امریکہ بلاک کے ساتھ شروع ہی سے روابط قائم تھے۔ (مثلاً) روزنامہ امروز (لاہور) کی یکم دسمبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں یہ خبر درج تھی کہ

امریکی سفارت خانہ کے پروفیسر ڈاکٹر ویکر نے گورنمنٹ کانج میا نوالی کے طلباء کو بلیم دینے جن میں کیونزم کی مخالفت تھی۔ ان کے ساتھ جماعت اسلامی لاہور کے راہ نما بھی آئے تھے۔ اور مقامی امیر مولانا گلزار احمد تھے۔ (بحوالہ امروز۔ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۵۲ء)۔

یہ ۱۹۵۲ء کا ذکر ہے۔ ۱۹۵۵ء میں حکومت پاکستان نے امریکہ کے ساتھ اپنے روابط مستحکم کرنے کا فیصلہ کیا تو (مرحوم) مورودی صاحب نے لاہور اور کراچی میں پبلک جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے اچھے الفاظ میں کہا ۱۔

اگر یہ (امریکی) بلاک فی الواقعہ چاہتا ہے کہ کیونزم کی روک تھام کے لئے اسے مسلم عوام کا دل تعاون حاصل ہو تو اسے اپنی بنیادی پالیسی میں بنیادی تغیر کرنا پڑے گا۔ اسے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اسے مسلم بلاک کے حکمرانوں سے ساز باز کرنا ہے یا مسلم ممالک کے عوام کا تعاون حاصل کرنا ہے۔ یہ اس کے سوچنے کا کام ہے کہ اسے کونسی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ اسے حکمرانوں کی ضرورت ہے جو عوام پر سٹی اٹھ رہی نہیں رکھتے یا عوام کے تعاون کی ضرورت ہے جو طاقت کا اصلی سرچشمہ ہوتے ہیں۔ مسلمان ملکوں کے ساتھ آپ کی جو پالیسی اب تک چلی آرہی ہے وہ ایسی ہرگز نہیں ہے کہ پاکستان اور دوسرے ممالک کے عوام کا دل تعاون آپ کو حاصل ہو۔ (جماعت اسلامی کا ترجمان اخبار تسلیم بابت ۱۶ و ۲۰ دسمبر ۱۹۵۵ء)

ظاہر ہے کہ اس بلاک کو مسلم عوام کا تعاون ان کے نمائندوں کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا تھا۔

ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ یہ روابط قائم ہوئے یا نہیں۔ اور اگر قائم ہوئے تو ان کی نوعیت کیا تھی، اب یہاں اس



قسم کی جو میگوئیاں ہوتی رہیں کہ امریکہ کی طرف سے یہاں کی مذہبی جماعتوں کو مالی امداد ملتی ہے۔ حتیٰ کہ (اس زمانہ کی) نیشنل عوامی پارٹی کے جوائنٹ سیکرٹری محی الدین احمد صاحب نے ڈھاکہ کے ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ جماعت اسلامی کو کسی آئی۔ اے کی طرف سے حال ہی میں ساٹھ لاکھ روپیہ ملا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ غارت گریہ تیار کرنے کے بہانے ... پچیس لاکھ روپیہ عظیم کر گئی ہے۔ (بحوالہ روزنامہ امروز - مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۸۱ء)۔ اسی سلسلہ میں مقرر جلیلہ چٹان لاہور نے اپنی ۱۵ مئی ۱۹۸۱ء کی اشاعت کے ادارہ میں لکھا :-

”غیر ملکی حکومت سے گفتگو کرنے اور اس کے ساتھ روابط پیدا کرنے کا حق صرف اس ملک کی حکومت

کو ہونا ہے۔ اگر کسی ملک کی کوئی جماعت اپنے طور پر یہ اقدام کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کی نہیں بلکہ کسی اور ملک کی گماشتہ ہے۔“

(۱۱)

## اسلام نافذ کرو کا نعرہ

ہم اس سوال کے سیاسی گوشے سے قطع نظر کرتے ہوئے، اس گوشے کی طرف آتے ہیں کہ جمہوری جماعتوں نے مطالبہ پاکستان کی اس قدر مخالفت کی تھی انہوں نے یہاں ”اسلام نافذ کرنے“ کے سلسلہ میں کیا کیا۔ انہوں نے یہاں آتے ہی یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اس لئے یہاں سب سے پہلا کام اسلام کے نفاذ کا ہونا چاہئے۔ اور یہ کام ہم ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔ ان سے کسی نے نہ پوچھا کہ آپ یہاں کون سا اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں وہ اسلام جس کا تصور اقبال اور قائد اعظم نے پیش کیا تھا، یا وہ اسلام جسے آپ پیش کرتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے وہی اسلام نافذ کرنا تھا، چھ یہ وہاں پیش کرتے تھے اور جس سے پاکستان کی جداگانہ مملکت کا جواز ہی باقی نہیں رہتا تھا۔ انہوں نے جب اپنے مطالبہ پر زیادہ زور دیا تو اعتراض یہ ہوا کہ آپ میں تو اس قدر فرق ہے جس میں اس قدر باہمی اختلاف ہے۔ اس لئے یہاں کون سا اسلام نافذ کیا جائے! اگر آپ کوئی متفق علیہ فارمولہ متعین کر سکیں تو اس باب میں پیش رفت ہو سکے۔ اس اعتراض کے جواب میں انہوں نے ۱۹۷۱ء میں مختلف فرقوں کے نمائندگان پر مشتمل (۳۱) علماء کی کانفرنس منعقد کی جس میں قانون سازی کے سلسلہ میں حسب ذیل فارمولا پیش کیا گیا :-

(۱) بدستل لاز ہر فرقے کے اپنے اپنے ہوں گے۔ اور

(۲) ملک کے قوانین کتاب و سنت کے مطابق مرتب کئے جائیں گے۔

یہ بہت بڑا مقدس فریب تھا جو قوم کو دیا گیا۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ ملکی قوانین کا کوئی ضابطہ مرتب ہو ہی نہ سکے۔ تفصیل اس اجمال کی بڑی سنی خیز ہے۔ جہاں تک کتاب کا تعلق ہے، اس نے مراد قرآن مجید ہے جو سب فرقوں کے نزدیک مستلزم ہے۔ لیکن سنت کی یہ کیفیت نہیں۔ یہی نہیں کہ ہر فرقہ کی سنت الگ الگ ہے۔ سنت کہتے کچھ ہیں، اس میں بھی ان کا اختلاف ہے۔ اور شدید اختلاف۔ کانفرنس میں پاس کردہ فارمولا

(کتاب و سنت) پر دستخط کرنے والوں میں سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) اور مولانا محمد اسماعیل سلطانی (مرحوم) صدر مرکزی جماعت اہل حدیث، سربراہ سنت تھے۔ سنت کی (DEFINITION) کے متعلق ان میں جو بحث چلی، وہ

مولانا مرحوم کی طرف سے شائع کردہ کتاب ”جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث“ میں با تفصیل درج ہے۔ اس کے نمایاں اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔ اہل حدیث حضرات کے نزدیک جس کے نامزد مولانا سلفی (مرحوم) تھے۔ صحیح اس حدیث میں جو کچھ آیا ہے، وہ سب کا سب سنت ہے۔ اس کے برعکس، مولوددی صاحب (مرحوم) کے نزدیک:-

### مولوددی صاحب کے نزدیک

سنت اس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا۔ اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بحیثیت ایک انسان ہونے کے، یا بحیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا، اختیار کئے۔ یہ دونوں چیزیں کبھی ایک ہی عمل میں مخلوط ہوتی ہیں اور ایسی صورت میں یہ فرق اور امتیاز کہنا کہ اس عمل کا کونسا جزو سنت ہے اور کونسا جزو عادت، بغیر اس کے ممکن نہیں ہوتا کہ آدمی اچھی طرح دین کے مزاج کو سمجھ چکا ہو۔۔۔ تمدن و معاشرت کے معاملات میں ایک چیز وہ اخلاقی اصول ہیں جو زندگی میں جاری کرنے کے لئے نبی تشریف لائے تھے اور دوسری چیز وہ عملی صورتیں ہیں جو کوئی انسان اصولوں کی پیروی کے لئے خود اپنی زندگی میں اختیار کیا۔ یہ عملی صورتیں کچھ تو حضور کے شخصی مذاق اور طبیعت کی پسند پر مبنی تھیں کچھ اس ملک کی معاشرت پر جس میں آپ پیدا ہوئے تھے۔ اور کچھ اس زمانے کے حالات پر جن میں آپ مبعوث ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی تمام اقوام اور تمام لوگوں کے لئے سنت بنادینا مقصود نہ تھا۔

(رسائل و مسائل - حصہ اول، جلد ۳، ص ۱۳۱)

اسی کتاب میں وہ ص ۱۳۱ پر لکھتے ہیں:-

بعض چیزیں ایسی ہیں جو حضور کے اپنے شخصی مزاج اور قومی طرز معاشرت اور آپ کے عہد کے تمدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو سنت بنانا تو مقصود تھا نہ اس کی پیروی پر اس دلیل سے اصرار کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کی رو سے اس طرز خاص کا لباس نبی پہنتے تھے اور نہ شراعت الہیہ اس طرز سے لے آیا کرتی ہیں کو کسی خاص شخص کے ذاتی مذاق یا کسی قوم کے مخصوص تمدن یا کسی خاص زمانے کے رسم و رواج کو دنیا بھر کے لئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سنت بنادیں۔ سنت کی اس مخصوص تعریف کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات باسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو چوبی اصطلاح شری میں سنت نہیں ہیں ان کو خواہ مخواہ سنت قرار دے لینا منجملہ اہل بدعات کے ہے جن سے نظام دینی میں تحریف واقع ہوتی ہے۔

یعنی اہل حدیث حضرات کے نزدیک صحیح حدیث میں جو کچھ آیا ہے وہ سب کا سب سنت رسول اللہ کے دائرے میں شامل ہے اور اس سے انکار کرنا کفر ہے۔ لیکن مولوددی صاحب کے نزدیک صحیح احادیث میں سے وہ باتیں سنت کے دائرے میں داخل نہیں جنہیں نبی اکرم نے اپنی بشری حیثیت سے عاداتاً اختیار کیا تھا۔ اگر کوئی شخص ان باتوں کو بھی سنت قرار دے تو اس کے متعلق مولوددی صاحب کا ارشاد تھا کہ

میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سنت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے جس سے نہایت بڑے نتائج پہنچ سکتے ہیں ہر جگہ رہے ہیں اولاد وہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے۔

(ایضاً ص ۱۳۱)

اس سے ذرا پہلے لکھتے ہیں :-

جو امور آپؐ نے عادتاً کئے ہیں انہیں سنت بنا دینا اور تمام دنیا کے انسانوں سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کر لیں، ابلہ اور اُس کے رسولؐ کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا۔ یہ دین میں تحریف ہے۔ (ایضاً - ص ۳۱)

اس پر اعتراض یہ وارد ہوا کہ احادیث کے مجموعوں میں تو اس کی تصریح کہیں درج نہیں کہ حضورؐ نے فلاں بات پر حیثیت رسولؐ فرمائی (یا کی) تھی اور فلاں بات بشری حیثیت سے۔ تو (مودودی صاحب کے اصول تنظیم مطابق) سنت کہ متعین کیسے کیا جائے تھا۔ اسے کون متعین کرتے گا اور اس کے سنت ہونے کی سند کیا ہوگی؟ اس کے جواب میں مودودی (مرحوم) نے کہا کہ ایسے معاملات کا فیصلہ سند اور دلیل کی رُو سے نہیں ہوا کرتا۔ اس کا فیصلہ وہ شخص کہ سنتا ہے۔ :-

جس نے حدیث کے بیشتر ذخیرہ کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہنچائی ہو۔ کثرت مطالعہ اور عمارت سے انسان میں ایک ایسا ملک پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسولؐ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے۔ اس کی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جوہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے۔ اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد وہ اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور دیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب ضعیف منقطع اسناد مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی نظر انما وہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت کو دیکھ لیتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ ایک غیر معقول غیر شاذ متصل اسناد مقبول حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس جام زریں میں جو بادۂ معنی بھری ہوئی ہے۔ وہ اسے طبیعت اسلام اور مزاج نبوتؐ کے مناسب نظر نہیں آتی۔ (تقریبات - حصہ اول - ص ۳۲ - ۳۳)

مولانا اسماعیل (مرحوم) نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا :-

اگر ایک جماعت اپنی عقیدت مندی سے کسی اپنے بزرگ یا قائد کو خدا کا مزاج شناس سمجھ لے یا رسولؐ کا مزاج شناس تصور کر لے، پھر اسے اختیار دے دے کہ اصول مذہبی کے خلاف جس حدیث کو چاہے قبول کر لے جیسے چاہے رد کر دے یا کوئی عالم یا قائد بلا وجہ کسی موضوع یا فتویٰ پر مسل یا منقطع حدیث کے متعلق یہ دعوے کر دے کہ میں نے اس میں ہیرے کی جوت دیکھ لی ہے تو یہ مضحکہ انگیز پوزیشن میں یقیناً ناگوار ہے۔ ہم انشاء اللہ آخری حد تک اس کی مزاحمت کریں گے اور سنت رسولؐ کو ان سو فی صد حلوں سے بچانے کی کوشش کریں گے

(جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث - ص ۶۳)

ظاہر ہے کہ حیثیت سنت کی (DEFINITION) میں اختلاف کا یہ عالم ہے کہ سنت کا وہ ثبوت کہاں سے مل سکے گا جسے تمام فرقہ متفقہ طور پر سنت تسلیم کرتے ہوں! ان حالات میں آپؐ خود فیصلہ کر لیجئے کہ سنت کون ہے (۳۱) علماء نے جو متفق علیہ مطالبہ پیش کیا تھا کہ ملی قوانین کتاب سنت کے مطابق مرتب ہوں! وہ کہاں تک قابل عمل تھا؟ اس کے باوجود یہ حضرات (مودودی مرحوم) کہتے ہیں سال تک یہ مطالبہ پیش کرتے رہے کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کتاب سنت کے مطابق مرتب ہونے چاہئیں تاکہ (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴۶) (۵۴۷) (۵۴۸) (۵۴۹) (۵۵۰) (۵۵۱) (۵۵۲) (۵۵۳) (۵۵۴) (۵۵۵) (۵۵۶) (۵۵۷) (۵۵۸) (۵۵۹) (۵۶۰) (۵۶۱) (۵۶۲) (۵۶۳) (۵۶۴) (۵۶۵) (۵۶۶) (۵۶۷) (۵۶۸) (۵۶۹) (۵۷۰) (۵۷۱) (۵۷۲) (۵۷۳) (۵۷۴) (۵۷۵) (۵۷۶) (۵۷۷) (۵۷۸) (۵۷۹) (۵۸۰) (۵۸۱) (۵۸۲) (۵۸۳) (۵۸۴) (۵۸۵) (۵۸۶) (۵۸۷) (۵۸۸) (۵۸۹) (۵۹۰) (۵۹۱) (۵۹۲) (۵۹۳) (۵۹۴) (۵۹۵) (۵۹۶) (۵۹۷) (۵۹۸) (۵۹۹) (۶۰۰) (۶۰۱) (۶۰۲) (۶۰۳) (۶۰۴) (۶۰۵) (۶۰۶) (۶۰۷) (۶۰۸) (۶۰۹) (۶۱۰) (۶۱۱) (۶۱۲) (۶۱۳) (۶۱۴) (۶۱۵) (۶۱۶) (۶۱۷) (۶۱۸) (۶۱۹) (۶۲۰) (۶۲۱) (۶۲۲) (۶۲۳) (۶۲۴) (۶۲۵) (۶۲۶) (۶۲۷) (۶۲۸) (۶۲۹) (۶۳۰) (۶۳۱) (۶۳۲) (۶۳۳) (۶۳۴) (۶۳۵) (۶۳۶) (۶۳۷) (۶۳۸) (۶۳۹) (۶۴۰) (۶۴۱) (۶۴۲) (۶۴۳) (۶۴۴) (۶۴۵) (۶۴۶) (۶۴۷) (۶۴۸) (۶۴۹) (۶۵۰) (۶۵۱) (۶۵۲) (۶۵۳) (۶۵۴) (۶۵۵) (۶۵۶) (۶۵۷) (۶۵۸) (۶۵۹) (۶۶۰) (۶۶۱) (۶۶۲) (۶۶۳) (۶۶۴) (۶۶۵) (۶۶۶) (۶۶۷) (۶۶۸) (۶۶۹) (۶۷۰) (۶۷۱) (۶۷۲) (۶۷۳) (۶۷۴) (۶۷۵) (۶۷۶) (۶۷۷) (۶۷۸) (۶۷۹) (۶۸۰) (۶۸۱) (۶۸۲) (۶۸۳) (۶۸۴) (۶۸۵) (۶۸۶) (۶۸۷) (۶۸۸) (۶۸۹) (۶۹۰) (۶۹۱) (۶۹۲) (۶۹۳) (۶۹۴) (۶۹۵) (۶۹۶) (۶۹۷) (۶۹۸) (۶۹۹) (۷۰۰) (۷۰۱) (۷۰۲) (۷۰۳) (۷۰۴) (۷۰۵) (۷۰۶) (۷۰۷) (۷۰۸) (۷۰۹) (۷۱۰) (۷۱۱) (۷۱۲) (۷۱۳) (۷۱۴) (۷۱۵) (۷۱۶) (۷۱۷) (۷۱۸) (۷۱۹) (۷۲۰) (۷۲۱) (۷۲۲) (۷۲۳) (۷۲۴) (۷۲۵) (۷۲۶) (۷۲۷) (۷۲۸) (۷۲۹) (۷۳۰) (۷۳۱) (۷۳۲) (۷۳۳) (۷۳۴) (۷۳۵) (۷۳۶) (۷۳۷) (۷۳۸) (۷۳۹) (۷۴۰) (۷۴۱) (۷۴۲) (۷۴۳) (۷۴۴) (۷۴۵) (۷۴۶) (۷۴۷) (۷۴۸) (۷۴۹) (۷۵۰) (۷۵۱) (۷۵۲) (۷۵۳) (۷۵۴) (۷۵۵) (۷۵۶) (۷۵۷) (۷۵۸) (۷۵۹) (۷۶۰) (۷۶۱) (۷۶۲) (۷۶۳) (۷۶۴) (۷۶۵) (۷۶۶) (۷۶۷) (۷۶۸) (۷۶۹) (۷۷۰) (۷۷۱) (۷۷۲) (۷۷۳) (۷۷۴) (۷۷۵) (۷۷۶) (۷۷۷) (۷۷۸) (۷۷۹) (۷۸۰) (۷۸۱) (۷۸۲) (۷۸۳) (۷۸۴) (۷۸۵) (۷۸۶) (۷۸۷) (۷۸۸) (۷۸۹) (۷۹۰) (۷۹۱) (۷۹۲) (۷۹۳) (۷۹۴) (۷۹۵) (۷۹۶) (۷۹۷) (۷۹۸) (۷۹۹) (۸۰۰) (۸۰۱) (۸۰۲) (۸۰۳) (۸۰۴) (۸۰۵) (۸۰۶) (۸۰۷) (۸۰۸) (۸۰۹) (۸۱۰) (۸۱۱) (۸۱۲) (۸۱۳) (۸۱۴) (۸۱۵) (۸۱۶) (۸۱۷) (۸۱۸) (۸۱۹) (۸۲۰) (۸۲۱) (۸۲۲) (۸۲۳) (۸۲۴) (۸۲۵) (۸۲۶) (۸۲۷) (۸۲۸) (۸۲۹) (۸۳۰) (۸۳۱) (۸۳۲) (۸۳۳) (۸۳۴) (۸۳۵) (۸۳۶) (۸۳۷) (۸۳۸) (۸۳۹) (۸۴۰) (۸۴۱) (۸۴۲) (۸۴۳) (۸۴۴) (۸۴۵) (۸۴۶) (۸۴۷) (۸۴۸) (۸۴۹) (۸۵۰) (۸۵۱) (۸۵۲) (۸۵۳) (۸۵۴) (۸۵۵) (۸۵۶) (۸۵۷) (۸۵۸) (۸۵۹) (۸۶۰) (۸۶۱) (۸۶۲) (۸۶۳) (۸۶۴) (۸۶۵) (۸۶۶) (۸۶۷) (۸۶۸) (۸۶۹) (۸۷۰) (۸۷۱) (۸۷۲) (۸۷۳) (۸۷۴) (۸۷۵) (۸۷۶) (۸۷۷) (۸۷۸) (۸۷۹) (۸۸۰) (۸۸۱) (۸۸۲) (۸۸۳) (۸۸۴) (۸۸۵) (۸۸۶) (۸۸۷) (۸۸۸) (۸۸۹) (۸۹۰) (۸۹۱) (۸۹۲) (۸۹۳) (۸۹۴) (۸۹۵) (۸۹۶) (۸۹۷) (۸۹۸) (۸۹۹) (۹۰۰) (۹۰۱) (۹۰۲) (۹۰۳) (۹۰۴) (۹۰۵) (۹۰۶) (۹۰۷) (۹۰۸) (۹۰۹) (۹۱۰) (۹۱۱) (۹۱۲) (۹۱۳) (۹۱۴) (۹۱۵) (۹۱۶) (۹۱۷) (۹۱۸) (۹۱۹) (۹۲۰) (۹۲۱) (۹۲۲) (۹۲۳) (۹۲۴) (۹۲۵) (۹۲۶) (۹۲۷) (۹۲۸) (۹۲۹) (۹۳۰) (۹۳۱) (۹۳۲) (۹۳۳) (۹۳۴) (۹۳۵) (۹۳۶) (۹۳۷) (۹۳۸) (۹۳۹) (۹۴۰) (۹۴۱) (۹۴۲) (۹۴۳) (۹۴۴) (۹۴۵) (۹۴۶) (۹۴۷) (۹۴۸) (۹۴۹) (۹۵۰) (۹۵۱) (۹۵۲) (۹۵۳) (۹۵۴) (۹۵۵) (۹۵۶) (۹۵۷) (۹۵۸) (۹۵۹) (۹۶۰) (۹۶۱) (۹۶۲) (۹۶۳) (۹۶۴) (۹۶۵) (۹۶۶) (۹۶۷) (۹۶۸) (۹۶۹) (۹۷۰) (۹۷۱) (۹۷۲) (۹۷۳) (۹۷۴) (۹۷۵) (۹۷۶) (۹۷۷) (۹۷۸) (۹۷۹) (۹۸۰) (۹۸۱) (۹۸۲) (۹۸۳) (۹۸۴) (۹۸۵) (۹۸۶) (۹۸۷) (۹۸۸) (۹۸۹) (۹۹۰) (۹۹۱) (۹۹۲) (۹۹۳) (۹۹۴) (۹۹۵) (۹۹۶) (۹۹۷) (۹۹۸) (۹۹۹) (۱۰۰۰)

کتاب و سنت کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں ہے جو پبلک لاز کے معاملہ میں حنفیوں، شیعہوں اور اہل حدیث کے درمیان متفق علیہ ہو۔ (جماعت اسلامی کا ترجمان: ایشیا، ۲۳ اگست ۱۹۷۹ء)

اس مقام پر آپ کے دل میں یہ خیال ابھرا ہوگا کہ جب مودودی (مرحوم) نے محسوس کیا کہ یہ سنت کے پیروں کے درمیان اختلافات ہیں جن کی وجہ سے ایک متفق علیہ ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا، تو انہوں نے تجویز کیا ہوگا کہ قانون سازی کا یہ نو قرآن کو قرار دے دیا جائے کیونکہ اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں، لیکن تو یہ سمجھے، وہ ایسا کس طرح کر سکتے تھے؟ قرآن کے تو نام سے ان حضرات کو چڑھے کیونکہ اس سے ان کا رچایا ہوا سارا کھیل ختم ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کو قرآن کے نام سے کس قدر چڑھے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگائیے۔ دو سال اُدھر کی بات ہے، سعودی عرب نے اپنے ان ایک نیا دستور رائج کرنے کا فیصلہ کیا، اس کے مسودہ پر تبصرہ کرتے ہوئے، (کا عدم) جماعت اسلامی کے ترجمان ایشیا نے اپنی ۳۱ مارچ ۱۹۷۹ء کی اشاعت کے ادارہ میں لکھا ہے۔

ایک اور بات کی جانب بھی ہم توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ خبر ہے کہ شہزادہ ناٹف نے کہا ہے کہ سعودی عرب کا آئین قرآن کریم ہوگا۔ بلاشبہ اس سے ان کا دستور قرآن، حدیث سے منقطع نہیں ہے۔ لیکن زیادہ مناسب ہوگا کہ سعودی عرب کا جو بھی دستور بنے اس میں کتاب کے ساتھ ساتھ کاللفظ ضرور موجود ہو۔

مقصد اس سے یہ تھا کہ اسلامی مملکت کی جس اسکیم کو ہم یہاں ناکام بنا چکے ہیں۔ وہ کہیں سعودی عرب میں کامیاب نہ ہو جائے۔

بہر حال جب مودودی (مرحوم) نے کہا کہ کتاب و سنت کی دوسری کوئی متفق علیہ ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا تو ان سے پوچھا گیا کہ پھر پاکستان میں اسلامی قوانین کے سلسلہ میں کیا کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ یہاں فقہ حنفی رائج کر دی جائے۔ یعنی وہ فقہ جس کے متعلق ان کے اپنے نظریات یہ تھے :-

- ۱۔ مجتہد خواہ کتنا ہی باکمال ہو، زمان و مکان کے تعینات سے بالکل آزاد نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کی نظر تمام ازمند و احوال پر وسیع ہو سکتی ہے۔ نہذا اہل کے تمام اجتہادات کا تمام زانوئوں میں اور تمام حالات کے مطابق ہونا غیر ممکن ہے۔

(تفہیمات، حصہ دوم - ایڈیشن ۱۹۷۹ء - ص ۲۲۶)

- ۲۔ یہ سلف کون سے انبیاء تھے جن پر ایمان لانے کی مسلمانوں کو تکلیف دی گئی ہے۔ (ایضاً)
- ۳۔ بزرگان سلف کے اجتہادات نہ تو اہل قانون قرار دیئے جاسکتے ہیں اور نہ سب کے سب دریا برد کر دینے کے لائق ہیں صحیح اور معتدل مسابک یہی ہے کہ ان میں رد و بدل کیا جاسکتا ہے۔

(رسائل و مسائل - جلد دوم - ایڈیشن - ستمبر ۱۹۷۳ء - ص ۲۸۲)

- ۴۔ دوسرا بنیادی نقص اس مسیح شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ اس میں اسلامی شریعت کو ایک مجدد شامس بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ (ترجمان الفرقان - محرم ۱۳۶۱ھ)

- ۵۔ میرا طریقہ یہ ہے کہ میں ان میں سے کسی کی تحقیق کو صرف آخر نہیں سمجھتا۔ اور حسب میرا ان کے بیانات



سے اطمینان نہیں ہوتا تو خود غور و فکر کر کے رائے قائم کرتا ہوں۔

( رسائل و مسائل - حصہ دوم - ایڈیشن ستمبر ۱۹۹۵ء - ص ۱۶ )

۶۔ میں مصائب اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ منفیت یا شقیہت ہی کا پابند ہوں۔ ( رسائل و مسائل - حصہ اول - ستمبر ۱۹۹۵ء ایڈیشن ص ۲۳ )

۷۔ میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ، بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔ ( ایضاً ص ۲۳ )

۸۔ ایک صاحب عقل انسان کے لئے اس سے زیادہ شرمناک بات کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کسی عقیدہ کا معتقد ہو اور اس اعتقاد کے حق میں اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی دلیل نہ ہو کہ اس کے باپ دادا بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے۔۔۔۔۔ کسی چیز کے صحیح یا برحق ہونے کے لئے کوئی دلیل ہی نہیں کہ بزرگوں سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ ( تنقیدات - پانچواں ایڈیشن - ص ۱۵۱ )

۹۔ انسان خواہ سراسر اپنی رائے سے اجتہاد کرے یا کسی اہل کتاب سے اقتساب کر کے اجتہاد کرے، دونوں صورتوں میں اس کا اجتہاد دنیا کے لئے دائمی قانون اور اہل قاعدہ نہیں بن سکتا کیونکہ انسانی عقل اور علم ہمیشہ ناکمال کیود سے متغیر ہوتا ہے۔ ( ایضاً - ص ۱۵۱ )

فقہ کے متعلق مودودی صاحب کے ان نظریات کے ساتھ ان کے اس مطالبہ کو بھی پیش نظر رکھئے کہ ملک میں فقہ ظنی رائج کر دیا جائے۔

فقہ ظنی کو حنفی (رئس) فرقہ کے سوا کوئی فرقہ بھی من و عن اسلام تسلیم نہیں کرتا۔ مذہب سے عدم دل چسپی کی انتہا ہے کہ جب مودودی (مرحوم) نے یہ تجویز کیا کہ ملک میں فقہ ظنی رائج کر دی جائے، تو کسی نے ان سے یہ نہ پوچھا کہ آپ نے کتاب و سنت کے فارمولہ کو اس لئے مسترد قرار دے دیا تھا کہ اس کی رو سے کوئی مضابطہ قوانین ایسا مرتب نہیں ہو سکے گا جسے تمام فرقے اسلامی تسلیم کریں، تو جو مضابطہ قوانین فقہ ظنی کے مطابق مرتب ہو گا، کیا اُسے تمام فرقے اسلامی تسلیم کریں گے؟ کسی نے ان سے یہ نہ پوچھا، حتیٰ کہ ان مذہبی فرقوں نے بھی، جو چھوٹے چھوٹے (فردی) مسائل کے اختلاف پر حنفیوں سے اُٹھتے رہتے ہیں اور ان کے اختلافی بھگڑے پولیس اور عدالتوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ خود حکومت نے بھی اس سوال کو درغور اقتناء سمجھا اور فقہ ظنی کو قانون سازی کا مدار تسلیم کر لیا، اس سبب امتیازی کا نتیجہ جلد ہی سامنے آ گیا، جب زکوٰۃ سے متعلق قانون پبلک لا کی کمیٹی سے نافذ کیا گیا تو شیعہ حضرات کی طرف سے اس کے خلاف ایسا شدید عملی احتجاج ہوا کہ حکومت کو یہ قانون بدنام پڑا اور ہر فرقہ کو اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق عمل کرے۔ (قرآنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی ابتداء اجازت نہیں دی گئی)۔ یہ حشر ہوا پہلے ہی پبلک لا کا جہاں تک سزاؤں (حدود) سے متعلق نافذ کردہ قوانین کا تعلق ہے خود صدر مملکت نے ایک سے زیادہ بار اس کا اعتراف کیا ہے کہ یہ ناممکن العمل ہیں۔ حدود آدمی جنس کے نفاذ کے چند ہی روز بعد صدر مملکت نے امریکہ کی (C. B. S) کی ٹی وی ٹیم کو ایک انٹرویو دیا تھا جس میں ان کے اس اعتراف کے جواب میں کہ یہ سزائیں بڑی وحشت ناک ہیں، کہا تھا کہ :

یہ جہنمیک ہے۔ لیکن میں اس کی وضاحت اس طرح کروں گا۔ (سلام سزا کے بجائے تحویل پر تردد رہتا ہے۔ اگر آپ

## ہاکن عمل

اس فلسفہ پر نگاہ رکھیں گے جو ان سنگین سزاؤں کے پچھے کا دفر ہے تو آپ دیکھیں گے کہ اس قانون شہادت کی رو سے جس کا نفاذ کیا جا رہا ہے ایک فی ہزار مجرموں کو بھی سزائیں نہیں دی جاسکیں گی۔

(پاکستان ٹائمز، ۱۹ فروری ۱۹۷۷ء)

صدر مملکت نے، اوپر نومبر ۱۹۷۷ء میں ہانگ کانگ سے شائع ہونے والے سنگنی ایسیا ویک (ASIA WEEK) کو انٹرویو دیا جس میں انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ پاکستان میں شرعی حدود کے متعلق قوانین تو نافذ کر دیئے گئے ہیں لیکن ان کے مطابق کسی کو سزا نہیں مل رہی۔ فرمایا کہ:-

یہ ٹھیک ہے۔ ایسا نہیں کیا جاتا۔ آپ لوگوں کو سنگسار نہیں کر سکتے۔ قرآنی قانون کا فلسفہ یہ ہے کہ تمہارے ہاں ایسی قوت ہونی چاہئے جو لوگوں کو ارتکاب جرم سے باز رکھ سکے۔ ذرا سوچو کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے چار گواہ مل سکیں جو شہادت دیں کہ انہوں نے جیسی اختلاط کے وقت مل دھولی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟ ایسا ناممکن (IMPOSSIBLE) ہے۔ (ایسیا ویک - بابت ۱۲ دسمبر ۱۹۷۷ء)۔

آپ نے غور فرمایا کہ یہاں اسلام کو کس طرح ایک عظیم معطل بنا کر رکھ دیا گیا ہے؟ اس کے باوجود چرچا کیا جا رہا ہے کہ پاکستان میں اسلام کا احیاء ہو رہا ہے۔ پاکستان کے مخالفین (اور اقبالیوں کی نگاہوں میں) کے مطابق (اقوام مغرب دونوں کا یہی منشا تھا۔

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ مغرب کی نظام سربراہی کی علمبردار قوتوں نے ”خدا پرستوں“ (یعنی مسلم اقوام) کو جو دعوت اتحاد و تعاون دی تھی تو اس سے کمینڈ کے سیلاب کے سامنے بند باندھنا مقصود تھا۔ موردی (مروجہ) اسے اسی لئے ان سے کہا تھا کہ تمہارا یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ تم مسلم ممالک کے حکمرانوں کے بجائے یہاں کے عوام سے رابطہ قائم کرو۔ یہ رابطہ کس طرح قائم ہوا اس کی تفصیل میں جاننے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ لیکن موردی (مروجہ) نے اسلام کا جو معاشی نظام پیش کیا وہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ انہوں نے نظام سربراہی داری کو عین مطابق اسلام ثابت کرنے کے لئے کس قدر کوشش کی۔ اس نظام کو انہوں نے اپنی کتاب ”مسئلہ ملکیت زمین“ میں تفصیلی شہادت پیش کیا ہے۔ اس کے دو ایک اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

وہ اس میں لکھتے ہیں:-

اسلام نے کسی نوع کی ملکیت پر بھی مقدار اور کمیت کے لحاظ سے کوئی حد نہیں لگائی۔ جائزہ ذرائع سے حاصل ہونے والی ملکیت جبکہ اس سے تعلق رکھنے والے شرعی حقوق و واجبات ادا کئے جاتے رہیں، بلا حدود نہایت رکھی جاسکتی ہیں۔ روپیہ، پیسہ، جانور، استعمالی اشیاء، مکانات، سواروں، غرض کسی چیز کے معاملہ میں بھی قانوناً ملکیت کی مقدار پر کوئی حد نہیں۔ پھر آخر تہائیں جائیدادیں وہ کونسی خصوصیت ہے جس کی بنا پر صرف اس کے معاملہ میں شریعت کا یہاں یہ ہر کہ اس کے حقوق ملکیت کو مقدار کے لحاظ سے محدود کر دیا جائے (مسئلہ ملکیت زمین)۔

سیٹا اینڈ سنز - ۱۹۵۰ء - ص ۵۳-۵۴

اگے چل کر اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:-

آخری چیز جو مسلمان مصلحین کی نگاہ میں رہی ضروری ہے یہ ہے کہ اسلام کے حدود میں رہتے ہوئے ہم کسی نوع

کی جائز ملکیتوں پر نہ تو تعدا یا مقدار کے لحاظ سے کوئی پابندی عائد کر سکتے ہیں اور نہ ایسی معنائی قیود لگا سکتے ہیں جو شرعیت کے دینے ہوئے جائز حقوق کو عملاً سلب کر دینے والی ہوں۔ اسلام صلیا چیز کا آدمی کو پابند کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے پاس جو کچھ مال آئے جائز راستے سے آئے۔ جائز طریقے پر استعمال ہو جائز راستوں میں جائے۔ اور خدا اور بندوں کے برحق اس پر عائد کئے گئے ہیں وہ اس میں سے ادا کر دینے جائیں اس کے بعد جس طرح وہ ہم سے نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنا روپیہ اتنے مکان، اتنا تجارتی کاروبار، اتنا صنعتی کاروبار اتنے مویشی، اتنی موٹریں، اتنی کشتیاں اور اتنی فلاں چیز اور اتنی فلاں چیز رکھ سکتے ہو، اسی طرح وہ ہم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنے ایکڑ زمیں کے مالک ہو سکتے ہو۔ پھر جس طرح وہ ہم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ تم صرف اسی تجارت یا صنعت یا دوسرے کاروبار کے مالک ہو سکتے ہو جسے تم براہ راست خود کرو اور جس طرح اس نے دنیا کے کسی دوسرے معاملہ میں ہم پر یہ قید نہیں لگائی ہے کہ تم کسی ایسے کام پر حقوق ملکیت نہیں رکھ سکتے جو جس کو تم اُجرت پر یا شرکت کے طریقے پر دوسروں کے ذریعے سے کر رہے ہو، اسی طرح وہ یہ بھی نہیں کہتا کہ زمین کا مالک بھی وہی ہو سکتا ہے جو اس میں خود کاشت کرے اور یہ کہ اُجرت یا شرکت پر ملکیت کرانے والوں کو سرے سے زمین پر حقوق ملکیت حاصل ہی نہیں ہیں۔ اس قسم کی قانون سازیوں خود مختار لوگ کر سکتے ہیں۔ مگر جو خدا اور رسول کے مطیع فرمان ہیں، وہ ایسی باتیں سوچ بھی نہیں سکتے۔ (ایضاً صفحہ ۴۳)

یہی نظام اس وقت یہاں رائج ہے جسے اسلامی کہنے کے لئے فقہ کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ دولت کا انبار دار، انبار جمع کرتا میں مطابق اسلام ہے بشرطیکہ اس میں سے چند پیسے بطور ”زکوٰۃ“ ادا کر دیئے جائیں۔ رہتو کا نام رہے قرآن نے ”خدا اور رسول“ کے خلاف بغاوت قرار دیا ہے) منافع رکھ دیا گیا ہے، عواد وہ بینکوں میں جمع کردہ رقم پر ہوا اور خواہ کاروبار میں (SLEEPING PARTNER) کے طور پر جس کے لئے فقہ کی اصطلاح سنا، بہت اختیار کرنی چنی ہے۔ زمین پر ہے حد و نہایت ملکیت جائز ہے بشرطیکہ اس سے ”عشر“ ادا کر دیا جائے۔ اس قسم کے منافع کو زکوٰۃ کہہ دیا گیا ہے۔ یہ نظام سرمایہ داری کی وہ شدید شکل ہے جس میں اب خود نظام سرمایہ داری کی حامل اقوام مغرب، بھلی ٹپک پیدا کرتی جا رہی ہیں۔ یہاں اسے اسلام کے معاشی نظام کے نام سے رائج اور مستحکم کیا جا رہا ہے۔ یہی اقوام مغرب کا منشاء تھا۔

(۱۰)

ہندو بھاری مذہبی پیشوائیت اور اقوام مغرب کی یہ تعلیق سازش آہستہ آہستہ زمیں گیر ہوتی چلی گئی۔ لیکن اس کی رفتار بڑی سبب سے تھی اور اقوام مغرب پر خطرہ محسوس کر رہی تھیں کہ ان کی یہ آہستہ خدائی رفتہ رفتہ بھود کی مدد تک نہ پہنچ جائے۔ اس خطرہ کے ازالہ کے لئے انہوں نے ایک نئی ترکیب سوچی۔ اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے عہد ملکیت میں وضع شدہ ”اسلام“ کی شراب کھس کو نئی بوتلوں میں اس طرح بند کیا جائے کہ اصل اور نقلی میں فرق نہ کیا جاسکے۔ اس نئی ترکیب کا نام انہوں نے (FUNDAMENTALISM) رکھا جس کے

## فندا منٹل ازم

لغوی معنی ”بنیادی اسلام“ کے ہیں۔ اس ترکیب کو انہوں نے اس قدر عام کیا ہے کہ مسلم ممالک میں ہی نہیں یورپ، امریکہ، کینیڈا تک ہیں۔ ہر جگہ اس کی شاخیں قائم کر دی گئی ہیں، اور وہاں کے نامور مذہبی پیشوا اور قدامت پسند پیشہ وران کے ساتھ منسلک ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے دوسرے کے سیلاب کے بعد اس طرح کھول دیئے

میں کہ سب اس میں ہے چلے جا رہے ہیں جس اسلام کو یہ لوگ پیش کر رہے ہیں وہی ہے جو ہمارے دور ملکیت میں وضع ہوا تھا لیکن اس کے لئے اسلوب بیان ماڈرن اختیار کیا جاتا ہے۔ اس سے ہمارا وہ طبقہ جو مولویوں سے متاثر تھا ان کی باتیں کان لگا کر سنتا ہے، حالانکہ ان کی باتیں بھی وہی ہوتی ہیں جنہیں مولوی صاحبان پیش کرتے تھے۔ اس طرح یہ تحریک روپے کے زور اور سپا پیگنڈو کے شور سے کامیاب ہو رہی ہے۔ خواص کی نگاہوں میں ماڈرن ازم کی چمک سے اس قدر خیرگی پیدا کی جا رہی ہے کہ ان میں حقیقت اور فریب میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ اور عوام کے لئے مذہب کی رسمی تقریبات کو اس قدر پوشیدہ کر دیا کہ ہارونق اور مقدس بنایا جا رہا ہے کہ وہ سامریہ کے اس دام ہمرنگ زمین سے نکل ہی نہیں سکتے۔

یہی تھا وہ نظام جس کی ملکیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "ابلیس کی مجلس شورٰی" میں "شعبہ اسلام" کے مشیر نے کہا تھا کہ

اس میں کیا شک ہے کہ محکمہ ہے یہ ابلیسی نظام  
ہے ازل سے ان فریبوں کے مقدّر میں سجدہ  
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں  
یہ ہماری سنی پیہم کی کرامت ہے کہ آج  
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا؟  
پختہ تر اس سے ہوئے غنائے غلامی میں عسکرام  
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام  
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام  
صوفی و مثلاً ملکیت کے بندے ہیں تمام  
کُند ہو کہ رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام

(ارمناں حجاز، ۲۱۵-۲۱۶)

اور اس میں تحریک پاکستان کے مخالفین اور اقوام مغرب واقعی کامیاب ہیں۔ یاد رکھئے! جس ملک کے قیام کا تصور اقبالؒ نے دیا تھا اور جس کے لئے قائد اعظمؒ کی سنی پیہم کے تصدیق ایک خطہ زمین حاصل ہوا تھا، اسے اپنی مقصدیت کے اعتبار سے اسلامی مملکت بننا تھا۔ وہ مقصدیت یہ تھی کہ

**مقصد**

اس میں :-

- (۱) حق حکومت کسی انسان یا انسانوں کے گروہ کو حاصل نہیں ہوگا۔ حکمرانی صرف کتاب اللہ کی ہوگی۔
- (۲) اس میں غلط اور صحیح، جائز و ناجائز، اسلامی اور غیر اسلامی کی سند اور آٹھارٹی قرآن مجید ہوگا۔
- (۳) اس میں کسی کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا، مذہب، خوف ہوگا تو صرف قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کے صریح رساں نتائج کا جن کا اخلاق ہر ایک پر یکساں ہوگا۔
- (۴) اس میں کوئی فرد ذات کو بھوکا سو سکے گا۔ دیکسی کی کوئی مزدور نہ رہے گی۔
- (۵) اس میں امیر اور غریب، محتاج و غنی، حاکم و محکوم کی تمیز نہیں ہوگی، تمام انسان یکساں و احباب، تکریم ہوں گے اور تہلیل و توہین، دوست و مستلکین کرین ہر دم ہوگا۔
- (۶) اس میں نظام سرمایہ داری باقی رہے گا، زندگی پیشوائیت کا وجود، امت کے باہمی مشورہ سے نظام حکومت قائم ہوگا اور وہ نظام قرآن مجید میں متعین کردہ غیر متبدل حدود کے اندر رہتے ہوئے، اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قواعد و ضوابط خود مرتب کرے گا۔ انہی کو احکام شریعت کہا جائے گا۔



(۷) اس میں ساری امت، امت واحدہ جوئی جس میں کسی قسم کا تفرقہ نہیں ہوگا۔

یہ تھا وہ نظام جسے قائم کرنے کے لئے پاکستان کا خطہ زمین حاصل کیا گیا تھا۔ اس کے مخالفین کی انتہائی کوشش تھی کہ اول تو یہ خطہ زمین ہی حاصل نہ ہو، اور اگر حاصل ہو بھی جائے تو اس میں یہ نظام قائم نہ ہو سکے (جسے الدین کہا جاتا ہے)۔ اس کے بجائے اس مذہب کا دور دورہ ہو جس سے انسان نہ رہتا ہے نہ دنیا کا۔ اقبالؒ کے الفاظ میں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ

وہ مذہب مردان خود گاہ و خدا مست  
یہ مذہب مملتا و جہادات و نباتات  
قائد اعظمؒ نے تحریک پاکستان کے دوران کہا تھا :-

ہماری حفاظت، ہماری سمات اور عزت و آبرو (کے تحفظ کا واحد ذریعہ) پاکستان ہے۔ اگر ہم اس عہد و مہم میں ناکام رہ گئے تو ہم تو تباہ ہو ہی جائیں گے لیکن اس کے ساتھ ہی اس پر صغیر میں نہ مسلمانوں کا وجود باقی رہے گا۔ نہ اسلام کا نام و نشان۔ (تقاریب - جلد دوم - ص ۵۵۵)

اگر قائد اعظمؒ زندہ ہوتے تو وہ دیکھتے کہ پاکستان مل جانے کے بعد بھی اس اسلام پر کیا ہیئت رہی ہے جس کے احیاء کے لئے انہوں نے پاکستان لے کر دیا تھا۔

برعکس، ہماری انتہائی بد قسمتی ہے کہ ہم اس میں ناکام رہ گئے اور پاکستان کے مخالفین کامیاب ہو گئے۔ یہ بد قسمتی ہماری ہی نہیں، پوری کی پوری انسانیت کی بد قسمتی ہے کیونکہ پاکستان نے اس نظام کی تجربہ گاہ بننا تھا جس سے نوبہ انسان نے اپنی منزلی مقصود تک پہنچنا تھا۔ اس اعتبار سے ہم اپنی نفسی کے بھی ذمہ دار اور مجرم ہیں اور عالمگیر انسانیت کی بد نصیبی کے بھی ذمہ دار اور مجرم۔ ہزار سال کے بعد یہ نادر روزگار موقع ہمیں میسر آیا تھا، ہم نے اسے نبی طرح گھو دیا۔ اے دانے ما، اے دانے !!

میں سادہ پیش غیر ائمہ شیعہ  
چو گہراں در حضور او سرودیم

تو ازم کسی نام از طیش  
کہ ما شاہان سناں تو نبودیم (ارغوان مجاز - ص ۵۵)

مجھ سے اکثر تقاضا کیا جاتا ہے کہ میں اقبالؒ کے فارسی اشعار کا ترجمہ بھی پیش کر دیا کروں۔ میں ان اشعار کا ترجمہ کیا کروں؟ یہ تو اپنی لاش کے سر ہانے کھڑے ہو کر کہتا ہوں کہ تم نے اس طرف آنے نہیں دینی لیکن کتاب نے اس مفہوم کو اپنے غوغ و شگ انداز میں صریح ادا کیا ہے اس سے بات سمجھ میں آجائے گی اُس نے کہا ہے :-

چاہتے ہیں خوب رویوں کو است  
آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

بافل ! ان نہ ملتوں کے واسطے  
ہارنے والا بھی اچھا چاہئے

جن رشتوں اور غلطیوں کا آئینہ وار وہ، اسلام تھا جس کے لئے ہمیں یہ خطہ زمین عطا ہوا تھا اس اسلام کو نافذ کرنے والے انسان بھی اتنے ہی بلند اور عظیم ہونے چاہئیں تھے۔ ہمارے سب سے بہت نامستط ان بلند رویوں تک پہنچنے کے قابل نہیں تھے، اس لئے ہم اس نعمت کبریٰ کے بل نہیں قرار پائے۔ جو تیسرا فرار اٹھانے کی بہت نہ رکھتا ہو، اسے جوئے شیر کیسے لی سکتی ہے؟ ہمیں اپنے اہل دیہت پیدا کرنی چاہئے تھے۔ قرآن کریم نے آئیتم المؤمنین (تم سب پر غالب آ جاؤ گے) کے لئے دئی گفتم مؤمنین۔ (اگر تم مؤمن ہوتے) کی شرط قائد کی تھی۔ ہم نے اس شرط کو پورا نہ کیا تو اس مقام تک پہنچ نہ سکے۔

مجھے تو کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کی تاریخ و سرانی جا رہی ہے۔ فرعون کی قلامی میں دو ضعف و بیچارگی کی انتہا تک پہنچ گئے تو مشیت خداوندی نے ان کی حالت پر رحم دکھایا اور چاہا کہ انہیں تکلیف نہ لے لیں۔ زمین حاصل ہو جائے۔ (۱۔ ۱۰)۔ اس کے لئے انہیں ایک خطہ زمین عطا کر دیا گیا۔ (قرآن کے الفاظ میں) اسے ان کے نام لکھ دیا۔ (۱۔ ۱۰)۔ لیکن جب وہ اس کے اہل ثابت نہ ہوئے تو تقدیرِ اہم کے اہل قانون کی کرو سے فیصلہ ہوا کہ فلاں تھا مکتومہ علیہم اذ بعثنا منہم نبیاً یبشرونہم فی الذلۃ فیہم (۱۔ ۱۰)۔ جس زمین کا پتہ ان کے نام لکھ دیا گیا تھا اس سے انہیں محروم کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ وہ چالیس سال تک خانہ بدوشوں کی طرح محروم رہیں اور اپنے اندر تکلیف فی الارض کی صلاحیت پیدا کریں۔ خدا کے کہہ کر ہمارے جرائم کی سزا ابدی محرومی نہ ہو۔ وقتی ہو۔ اور جس طرح بنی اسرائیل کی اس نسل کے بعد آنے والے مورخ نے اسی سرزمین میں بسطوتہ و اذاتی اور شکست سیدھی کا نظارہ کیا تھا، ہمارا آنے والا مورخ بھی اُس نظام کی جنت آفرینیوں کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے جس کے لئے یہ خطہ زمین عطا کیا گیا تھا۔ اُس کی رحمت بے پایاں نے، جنت سے نکلے ہوئے آدم کو جنت کی بازیابی کا وعدہ بھی تو دلایا تھا۔ لیکن یہ جنت مفت میں نہیں مل جاتی تھی۔ اس کے لئے حمتِ تہم اھکائی (۱۔ ۱۰) کی شرط لازم تھی۔ اس طرح حاصل کردہ جنت کو کوئی بھی نہیں سکتا۔

اُن سچے کہ خدا نے بتوئے شد بہم ہر سچ تا جزائے عمل تست، جنات چیز سے بہت ہمیں یہ خطہ زمین ملا ہی اس لئے تھا کہ لَعْنَتُنْیَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۵ (نہم)۔ ہم دیکھیں کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو؟ ہم نے جس قسم کے کام کئے اُس قسم کا نتیجہ ہمارے سامنے آ گیا۔ یہاں تو عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

لیکن مجھے تو داستان بنی اسرائیل کو اپنے حال پر منطبق کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ اہل کے متعلق قرآن نے بتایا ہے کہ اُن کی تکلیف فی الارض سے عارضی محرومی کے بعد، نئی نسل کے نوجوان (حضرت) موسیٰ نے ایمان لے آئے اور اُن کے جوش کہ دار نے مخالفت کے ہر بند کو توڑ کر ممکن حاصل کر لیا۔ لیکن ہماری نئی نسل کو تو اس مقام پر پہنچا دیا گیا ہے جہاں وہ اسلام کے نام تک سے متنفر ہو رہی ہے۔ اس کا اگلا قدم سیکورزم ہو گا۔ اُس وقت بھارت کا ہندو۔ مسلمانوں کی وہ تمام جہالتیں جنہوں نے مسلمانہ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ اور اقوامِ مغرب اپنی اس کامیابی پر جشنِ مسرت منائیں گی کہ

رسیدہ بود بنائے دے بغیر گذشت

اس سے اُن کے دل پر کیا گزرے گی جنہوں نے اس خطہ زمین میں قرآنی نظام کا خواب دیکھا تھا اس کی بابت مت بوجھئے۔

خدا عدد کو بھی یہ خواب بد نہ دکھائے!

لیکن اس کے باوجود جب تک میرے دم میں دم ہے میں قرآن کی آواز بلند کئے جاؤں گا کہ میرے سامنے اُس کا یہ وعدہ موجود ہے جو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، کہ اس نظام کو دنیا کے ہر نظام پر غالب آکر رہنا ہے۔ یہاں یہی کہیں اور بھی۔

مصلحِ مآجہ ہے دے ساقی است ساقی قرآن را نوا باقی است

رضہ نا ہے اثر افتد اگر آسمان دار و ہزاراں زعمہ در

حق اگر از پیش ما بردار و شش پیش تو سے دیکھے بگزار و شش  
ترسم از روزی کہ مر و شش کنند  
آتش خود بدلی دیگر زنند (حدید نامہ ص ۹)

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے تمام نوع انسان کے لئے قیامت تک ضابطہ حیات قرار دیا ہے، اس لئے اس کا نظام نہ کسی خاص خطہ زمین سے وابستہ ہے۔ نہ کسی خاص قوم تک محدود، اور نہ کسی خاص زمانے سے مختص۔ جو قوم، جس ملک اور جس زمانے میں بھی اس کے حقائق پر علم و بصیرت اور عقل و فکر کی رو سے غور کر کے انہیں اختیار کر لے گی وہ اس سے فیض یاب ہو جائے گی۔ مذہب پرست قویں اور اپنی خوش فہمیوں میں مست اور توہم پرستیوں میں مغلطیں رہتی ہیں ان کے لئے یہ سعادت نہیں آسکے گی۔ وائش و ران مغرب، اپنے موجودہ نظام حیات سے تنگ آکر ایک نئی دنیا اور اس میں ایک جدید نظام کی تلاش میں ہیں۔

ایک ایسی دنیا جس میں نہ کرہ ارض پر کھینچی ہوئی ممالک کی لکیریں ہوں اور نہ ہی قوموں کے خود مختار کردہ حدود۔ یہ وہ دنیا ہوگی جس میں انسان جہاں جی چاہے آکر اودھ چلے پھرے۔ رہے سہے، اور ہر جگہ یکساں شرائط پر اپنے لئے مسرت حاصل کر سکے۔ سیاسی طور پر اس سے مراد ساری دنیا کی واحد حکومت ہوگی جو جمہوری طور پر تمام انسانوں کے باہمی مشورہ سے اپنا کاروبار سرانجام دے گی۔ ہم اپنی روح کے مذہبی نشیمن میں کسی اسی قسم کی حسین دنیا کا تصور محسوس کرتے ہیں جس میں کامل ہم آہنگی اور یک جہتی ہو۔

(BEYOND THE WELFARE STATE, BY GUNNER MYRDAL)

یہ دنیا ایک ایسے مذہب کی زمین بنتی ہوگی۔

جو انسان کی ارتقائی منازل کا ساتھ دے گا۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ عالمگیر ہوگا اور منتشر انسانیت کو ایک وحدت میں منسلک کر دے گا۔ جو مشرق و مغرب کے تمام مذاہب کی تعلیم کا مہیمن ہوگا۔ وہ عقل و فکر پر مبنی ایسا قابل عمل ضابطہ اخلاق دے گا جو علوم سامن سے ہم آہنگ ہو۔ وہ انسان کو اس قابل بنا دے گا کہ وہ خارجی کائنات اور خود اپنی ذات کے ساتھ ہم آہنگ رہ سکے۔ اسی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ نوع انسان کا مذہب بن سکے۔

(THE SAKH SOCIETY, BY ERICH FROMM)

ہم نے اس مقام پر وائش و ران مغرب میں سے صرف دو ایک کے خیالات پیش کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب اپنی نیکیوں کے باوجود نالاں ہیں کہ دنیا میں جنگوں کے لائق ہی سلسلہ کا بنیادی سبب یہ ہے۔ وہ اپنے ہاں کی جمہوریت سے تنگ آچکے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ بھی ملکیت ہی کا پتہ ہے۔ مغربی سرمایہ پرست قویں اپنے معاشرتی نظام کو عالمگیر بنانے کا موجب قرار دیتی ہیں۔ اس کے برعکس وہ اور چین کی سوشلزم پڑی طرح ناکام ثابت ہو رہی ہے اس حصہ کے بعد جب وہ اٹا (مثبت نظام) کے متعلق سوچیں گے تو وہ قرآن کے سوا کہیں نہیں ملے گا۔ اس طرح

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے

یہ جہاں محسوس ہوگا نغمہ توحید سے

والسلام

حق اگر از پیش ما بردار و شش پیش تو سے دیکھے بگزار و شش  
ترسم از روزی کہ مر و شش کنند  
آتش خود بدلی دیگر زنند (حدید نامہ ص ۹)

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے تمام نوع انسان کے لئے قیامت تک ضابطہ حیات قرار دیا ہے، اس لئے اس کا نظام نہ کسی خاص خطہ زمین سے وابستہ ہے۔ نہ کسی خاص قوم تک محدود، اور نہ کسی خاص زمانے سے مختص۔ جو قوم، جس ملک اور جس زمانے میں بھی اس کے حقائق پر علم و بصیرت اور عقل و فکر کی رو سے غور کر کے انہیں اختیار کر لے گی وہ اس سے فیض یاب ہو جائے گی۔ مذہب پرست قویں اور اپنی خوش فہمیوں میں مست اور توہم پرستیوں میں مغلطیں رہتی ہیں ان کے لئے یہ سعادت نہیں آسکے گی۔ وائش وراہ مغربہ اپنے موجودہ نظام حیات سے تنگ آکر ایک نئی دنیا اور اس میں ایک جدید نظام کی تلاش میں ہیں۔

ایک ایسی دنیا جس میں نہ کرہ ارض پر کھینچی ہوئی ممالک کی لکیریں ہوں اور نہ ہی قوموں کے خود مختار کردہ حدود۔ یہ وہ دنیا ہوگی جس میں انسان جہاں جی چاہے آکر اودھ چلے پھرے۔ رہے سہے، اور ہر جگہ یکساں شرائط پر اپنے لئے مسرت حاصل کر سکے۔ سیاسی طور پر اس سے مراد ساری دنیا کی واحد حکومت ہوگی جو جمہوری طور پر تمام انسانوں کے باہمی مشورہ سے اپنا کاروبار سرانجام دے گی۔ ہم اپنی روح کے مذہبی نشیمن میں کسی اسی قسم کی حسین دنیا کا تصور محسوس کرتے ہیں جس میں کامل ہم آہنگی اور یک جہتی ہو۔

(BEYOND THE WELFARE STATE, BY GUNNER MYRDAL)

یہ دنیا ایک ایسے مذہب کی زمین بنتی ہوگی۔

جو انسان کی ارتقائی منازل کا ساتھ دے گا۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ عالمگیر ہوگا اور منتشر انسانیت کو ایک وحدت میں منسلک کر دے گا۔ جو مشرق و مغرب کے تمام مذاہب کی تعلیم کا مہیمن ہوگا۔ وہ عقل و فکر پر مبنی ایسا قابل عمل ضابطہ اخلاق دے گا جو علوم سامن سے ہم آہنگ ہو۔ وہ انسان کو اس قابل بنا دے گا کہ وہ خارجی کائنات اور خود اپنی ذات کے ساتھ ہم آہنگ رہ سکے۔ اسی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ نوع انسان کا مذہب بن سکے۔

(THE SANG SOCIETY, BY ERICH FROMM)

ہم نے اس مقام پر وائش وراہ مغرب میں سے صرف دو ایک کے خیالات پیش کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب لائق تیسٹنگ کے ہاتھوں نالاں ہیں کہ دنیا میں جنگوں کے لائق ہی سلسلہ کا بنیادی سہید ہی ہے۔ وہ اپنے ہاں کی جمہوریت سے تنگ آچکے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ بھی ملکیت ہی کا پتہ ہے۔ مغربی سرمایہ پرست قویں اپنے معاشرتی نظام کو عالمگیر بنانے کا موجب قرار دیتی ہیں۔ اس کے برعکس وہ اور چین کی سوشلزم بڑی طرح ناکام ثابت ہو رہی ہے اس حصہ کے بعد جب وہ اٹا (مثبت نظام) کے متعلق سوچیں گے تو وہ قرآن کے سوا کہیں نہیں ملے گا۔ اس طرح

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے

یہ جہاں محسوس ہوگا نغمہ توحید سے

والسلام